Atlantis Publications
http://ishtiaqahmed-novels.blogspot.com
https://www.facebook.com/Ishtiaq.Ahmed.Novelss
ریاست کا مجرم
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز
اشتیاق احمد

گزشتہ ناول کی ایک جھلک

سازش کا تیر

اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

☆ ایک کھلونا بھالو جو انسپکٹر جمشید اور خان نسیم خان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

☆ وہ بھالو ڈرائنگ روم میں کہاں سے آیا... کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا... خان نسیم خان کون تھے اور بھالو ان کے ڈرائنگ روم میں کیوں تھا۔

☆ جنرل نصیر نے ملک میں مارشل لاء لگا دیا، کیوں؟

☆ خفیہ ایجنسیاں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی تلاش میں۔

☆ انسپکٹر جمشید نے میلوں کے فاصلے سے شوکی سے بات کی... بغیر ٹیلیفون اور بغیر موبائل... کیسے ممکن ہوا؟

☆ انسپکٹر جلالی نور کی شوکی برادرز پر نظر... کیا انسپکٹر جلالی نور کی شوکی کو حوالات کی ہوا کھلانے کی خواہش پوری ہوئی۔

☆ انسپکٹر جمشید نے شوکی کو اپنے ساتھ کیسے شامل کیا۔ نقلی شوکی برادرز کون تھے؟

☆ وہ لمحہ جب ملک کے صدر کو جیل میں بند کر دیا گیا۔

☆ سازش کا تیر جو کہ بہت چالاکی سے پھینکا گیا؟ کیا سازش کامیاب ہوئی۔

☆ کیا انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز مل کر اس سازش سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

☆ کیا ملک میں جمہوریت دوبارہ بحال ہوئی یا.... ایک بار پھر.... ملک مارشل لاء کی لعنت کا شکار ہو گیا۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ'...

ناول کا نام ریاست کا مجرم ہے ... اس دور میں ریاست کے مجرم عام ملتے ہیں ... دوسرے الفاظ میں انہیں غدار ہی کہا جاتا ہے، غداری قوموں کے لیے ہمیشہ ہی اندوہناک ثابت ہوتی ہے ... غداری کا بیج پاک و ہند میں بھی بویا گیا تھا، پھر یہ بیج پودا بن گیا اور پودے کے بعد تن آور درخت بن چکا ہے ... غداری کرنے والے ترقی کر گئے ہیں ... انہوں نے ہمارے ملک کا پیچھا آج تک نہیں چھوڑا ...

بات ہو رہی تھی ریاست کے مجرم کی ... میں ذرا اور طرف نکل گیا... یہ کہانی تو اپنے ملک کی ہے ہی نہیں ... آپ کے کردار اس مرتبہ ایک اور ریاست میں پہنچے ہوئے ہیں ... وہ وہاں اپنے خیال کے مطابق سیر کے لیے گئے تھے اس سے پہلے بھی اس ریاست میں وہ جب بھی گئے، سیر وشکار کے لیے گئے، لیکن اس مرتبہ ریاست کے نواب نے انہیں نئی سنائی:

"اس مرتبہ میں نے آپ لوگوں کو سیر و شکار کے لیے نہیں بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے بلایا ہے۔"

اور پھر ریاست کے نواب انہیں ایک دشمن کی پُراسرار کارروائیوں کی کہانی سناتے ہیں۔

میں دو باتوں میں کہانی کے بارے میں کوئی اشارات دینے کا قائل نہیں ... اس بار بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ... یہ تو بس یونہی بات درمیان میں آگئے ... بہرحال میں آپ کی ملاقات اس ناول میں ریاست کے مجرم سے کروا رہا ہوں ... معلوم نہیں آپ اس سے مل کر خوش ہوتے ہیں، یا ناخوش ... آپ شروع سے آخر تک ریاست کے مجرم کو پہچان نہیں پائیں گے ... اور یہی اس ناول کی ایک خاص بات کہی جا سکتی ہے ... تاہم یہ کوئی دعویٰ نہیں، صرف ایک خیال ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے ...

خیر چھوڑیں ... آپ ناول شروع کریں ... باقی باتیں بعد میں کریں گے۔

والسلام

ریاست کے سپاہی

"اوہو! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ... یہ ... یہ لڑکی ہے یا چھلاوہ۔"

محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا تو فرزانہ چونک کر بولی۔

"تم نے مجھے چھلاوہ کہا محمود ... شکریہ شکریہ۔"

"حد ہوگئی ... یوں لگتا ہے جیسے تم شکریہ ادا کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی ہو۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"توبہ ہے تم سے ... بلاوجہ محاورہ شامل کر دیا جملے میں ... ہے کوئی تک۔" محمود کی آواز ابھری۔

اب دونوں بھی اس طرف متوجہ ہوگئے جس طرف محمود دوربین لگائے بیٹھا تھا ... اس سے پہلے فاروق کی نظریں اور سمت میں لگیں ہوئی تھیں اور فرزانہ کی اور سمت میں ... دراصل وہ اس وقت ایک آزاد ریاست میں تھے ... ریاست کے نواب خان رحمان کے دوست تھے ... انہوں نے خان رحمان کو اپنی ریاست میں آنے اور شکار کرنے کی

دعوت دی تھی ... نواب ریاست علی خان شکار کے بہت شوقین تھے اور
انہوں نے اپنی ریاست میں ایک بہت بڑی شکارگاہ بنوائی تھی ... اس
میں جا کر شکار کھیلنا ان کا شوق تھا ... شکارگاہ میں خطرناک درندے نہیں
تھے ... ہرن ، بارہ سنگھے اور مرغابیوں کے قسم کے جانور اور پرندے
کثرت سے تھے ... اس طرح وہ وہاں جا کر آزادانہ شکار کھیلتے تھے ...
کوئی خوف اور ڈر تو ہوتا نہیں تھا ... نواب صاحب نے اپنے محل کے
ساتھ ہی ایک بہت خوب صورت جھیل بنوائی تھی ... اسی جھیل کے دوسری
طرف ان کا مہمان خانہ تھا ... یعنی اپنے مہمانوں کو وہ اس میں ٹھہراتے
تھے ...

چونکہ یہ پروگرام صرف سیر کا تھا ، اس لیے اس مرتبہ ان کے
ساتھ نہ صرف بیگم جمشید آئی تھیں ، بلکہ بیگم خان رحمان ، ان کے بچے
اور پروفیسرداؤد کے ساتھ شائستہ بھی آئی تھی ... اس طرح یہ تینوں
گھرانے مکمل طور پر اس وقت اس مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے
... اور نواب صاحب کی بیگم صاحبہ ان کی بیگمات میں بہت گھل مل گئی تھی
اور دن میں تمام دن ان تینوں کو اپنے ساتھ محل میں رکھتی تھیں ... رات
ہوتی تو تینوں سونے کے لیے مہمان خانے میں آ جاتیں ... نواب صاحب
بھی اکثر تینوں مردوں کو اپنے پاس بلائے رکھتے ... ان سے گپ شپ

لگاتے اور کوئی ان ڈور گیم کھیلتے رہتے ... محمود ، فاروق اور فرزانہ
زیادہ تر مہمان خانے میں رہتے ... یا جھیل میں تیرنے کا شوق پورا
کرتے ... مچھلی کے شکار کو دل چاہتا تو جھیل میں مچھلیاں بھی تھیں۔

اس وقت وہ مہمان خانے کی اوپر والی منزل کی گرل سے لگے
مختلف سمتوں میں نظارے کر رہے تھے جب محمود نے کسی لڑکی کی بات
شروع کی ... اور اس وقت تینوں اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے
... انہوں نے دیکھا ... لڑکی بری طرح دوڑ رہی تھی ... اور پانچ لمبے
تڑنگے آدمی اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے ...

’’ کیا یہ دوڑنے کا مقابلہ کر رہے ہیں ؟ ‘‘ فرزانہ بولی۔

’’ نہیں ! کوئی اور چکر ہے ... میں کافی دیر سے یہ آنکھ مچولی دیکھ
رہا ہوں ... لڑکی انہیں کئی بار جل دے چکی ہے ... تاہم پیچھا چھوڑنے
کے لیے یہ پانچوں بھی تیار نہیں ہیں اور ان کی ہر ممکن کوشش بھی ہے کہ
کسی طرح لڑکی کو پکڑ لیں ... ویسے اس دوڑ کے دوران کئی بار وہ اس
کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں ... اس حالت میں یہ اچانک چھلانگ
لگاتی ہے اور درمیانی فاصلہ ایک بار پھر زیادہ ہو جاتا ہے ... لیکن یہ
خیال ہے ... یہ آخر کب تک دوڑے گی ... وہ پانچ ہیں اور یہ اکیلی ...
پکڑ ہی لیں گے ... اسے۔‘‘ محمود کہتا چلا گیا۔

"لیکن آخر کیوں ... سوال تو یہ ہے۔"

"اب مجھے کیا معلوم۔"

"یہ تو ایک چھوٹی سی آزاد ریاست ہے ... اور میرا خیال ہے ... یہاں جرائم تو ہوتے نہیں ہوں گے ... پھر یہ بھاگ دوڑ کیوں۔"

"اب یا تو ہم اس لڑکی سے پوچھیں ... یا ان پانچ سے ... کسی ایک سے ... اس سوال کا جواب تو یہ دونوں فریق ہی دے سکتے ہیں۔"

"تو پھر چلتے ہیں ... ہم بھی نیچے ... معلوم تو ہو، یہ کیا چکر ہے۔" فرزانہ بولی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" محمود نے کہا۔

"نہیں ... بلکہ آ بیل مجھے مار ..." فاروق نے منہ بنایا۔

"تم آرام کرو یہاں ..." محمود بھنا اٹھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"گویا تم نہیں آرہے۔"

"اب تم نے خود ہی تو کہا ہے ... آرام کرو... سو میں آرام کروں گا..."

"اچھی بات ہے ... آؤ فرزانہ چلیں ... یہ حضرت تو آرام کریں گے۔"

"اس سے اور امید بھی کیا ہو سکتی ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"جاؤ جاؤ ... محمود سے امید لگاؤ ..." فاروق نے ہاتھ ہلایا۔

دونوں برے برے منہ بناتے سیڑھیاں اترنے لگے ... مہمان خانہ چوکور تھا ... چاروں طرف چار دیواری کے ساتھ ساتھ کمرے بنائے گئے تھے اور درمیان میں باغ تھا ... کمروں کے اوپر چوکور چھت تھی ... اس کے گرد بہت خوب صورت گرل لگائی گئی تھی ... سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آئے اور پھر دروازے سے نکل آئے ... جھیل کی مخالف سمت میں ایک ہرا بھرا جنگل تھا ... اس لڑکی کے ساتھ وہ پانچوں آدمی اسی جنگل میں آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

"ارے! کہاں گئے یہ لوگ۔" محمود نے چونک کر کہا۔

وہ ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے ... پھر فرزانہ بول اٹھی۔

"وہ ... وہ رہے ... پانچوں ... لیکن لڑکی کہیں نظر نہیں آرہی ... اور یہ پانچوں ابھی تک اسے تلاش کر رہے ہیں ... آؤ پوچھتے ہیں ... معاملہ کیا ہے۔"

وہ ان کی طرف تیز تیز چلنے لگے ... نزدیک پہنچنے پر انہوں نے دیکھا وہ ایک ٹیلے پر بیٹھے تھے ... ان کے سانس زور زور سے چل رہے تھے ... گویا بری طرح تھک گئے تھے ... انھیں اپنی طرف بڑھتے

دیکھ کر وہ چونک اٹھے ... ان کی آنکھوں میں حیرت کے دیے جل اٹھے...

'' اوہ ... آپ ... آپ لوگ۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

'' کیا مطلب! آپ ہمیں کیسے جانتے ہیں۔''

'' آپ حضرات کو بھلا یہاں کون نہیں جانتا ... آپ سرکاری مہمان ہیں ... نواب صاحب کے مہمان یہاں کے لیے باعزت ہیں۔''

وہ اس وقت تک اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے ... اور ان کے سامنے باادب انداز میں کھڑے تھے۔

'' یہ کیا چکر ہے ... آپ لوگ کون ہیں۔''

'' ہم ... ہم ریاست کے سپاہی ہیں۔''

'' کیا مطلب ... آپ کا تعلق ریاست کی پولیس سے ہے۔'' محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

'' جی ہاں!''

'' اوہ اچھا ... آپ ایک لڑکی کے پیچھے بھاگ رہے تھے ... کون ہے وہ لڑکی ... اور کہاں چلی گئی ہے ... آپ پانچ ہیں اور مل کر بھی ایک لڑکی کو نہیں پکڑ سکے ... یہ بات حیران کن ترین ہے۔''

'' وہ لڑکی ... وہ لڑکی چھلاوہ ہے ... چھلاوہ ... تیر کی طرح حرکت کرتی ہے ... کم بخت آج تک ہمارے ہاتھ نہیں آسکی۔''

'' آپ لوگ اسے کیوں پکڑنا چاہتے ہیں ... کیا کیا ہے اس نے۔''

'' وہ ... وہ ایک چور لڑکی ہے ... چوریاں کر کے بھاگ جاتی ہے ... اور کسی کے ہاتھ نہیں آتی ... ہم تو کوششیں کر کے تھک گئے ... لیکن وہ ہاتھ نہیں آتی۔''

'' اگرچہ وہ چور ہے ... اور آپ اسے آج تک پکڑ نہیں سکے تو آپ یہ کام ہم سے لے سکتے ہیں ... ہم چٹکی بجاتے ہی اسے گرفتار کر کے دکھا دیں گے۔''

'' اگر یہ بات ہے تو ہم حکومت سے آپ کو انعام دلوائیں گے۔''

'' ٹھیک ہے ... جونہی وہ نظر آئے ... ہمیں دکھا دیں ... پھر ہم جانیں ... ہمارا کام جانے۔''

'' میں یہ رہی ...'' انہوں نے لڑکی کی آواز سنی ... انہوں نے آواز کے تعاقب میں دیکھا ... لڑکی ایک اونچے درخت پر نظر آئی ...

'' لیجیے ... وہ رہی ... اب آپ جانیں ... آپ کا کام جانے۔'' ان میں سے ایک نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"فکر نہ کریں ... ہم اسے ابھی پکڑ دیتے ہیں ... آؤ فرزانہ۔"

"چلو۔" وہ بولی۔

دونوں نے اس درخت کی طرف دوڑ لگا دی ... اس کے نیچے پہنچ کر فرزانہ بولی۔

"اے لڑکی! خود نیچے آتی ہو آتی ہو یا ہمیں اوپر آنا پڑے گا۔"

"زحمت نہ کریں ... میں خود نیچے آجاتی ہوں ... آپ مجھے پکڑنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں بالکل۔"

"میرا جرم۔"

"ریاست کی پولیس تمہیں پکڑنا چاہتی ہے ... کوئی تو جرم ہو گا آخر... تب ہی پکڑنا چاہتے ہیں نا۔"

"ریاست کی پولیس عقل سے پیدل ہے ... جب کہ میں عقل سے گھوڑے سوار ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی ... عقل سے گھوڑے سوار۔"

"کوئی بات ہوئی یا نہیں ... اگر آپ مجھے پکڑنا چاہتے ہیں تو میدان میں آجائیں ... اس درخت کے اوپر آنا آپ کے لیے خطرناک ہو گا۔"

"اچھی بات ہے ... تم بھی چلو میدان میں۔"

"میں بھی آجاتی ہوں ... میری رفتار بہت تیز ہے ... اس لیے پہلے آپ چلیں۔"

"ابھی تم ہمیں نہیں جانتی۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"میں بھی یہی کہتی ہوں ... ابھی آپ لوگ مجھے نہیں جانتے۔"

"اچھی بات ہے ... پہلے تعارف ہو جائے ... تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو آپ ہمیں نہیں جانتیں ... اور ہم بھی یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ ہمیں نہیں جانتیں۔"

"اوکے۔"

انہوں نے فوراً میدان کی طرف دوڑ لگادی ... ایسے میں انہوں نے اپنے پیچھے دھم کی آواز سنی ... معلوم ہوا، اس لڑکی نے اوپر سے ہی چھلانگ لگائی تھی ... ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے نیچے نہیں اتری تھی ... ان کے اور لڑکی کے درمیان اتنا فاصلہ تھا ... جتنا پہلے سپاہیوں اور اس کے درمیان تھا ...

"ہم آرہے ہیں لڑکی ... ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم آپ کو پکڑ لیں گے۔"

"میں کوئی دعویٰ نہیں کرتی ... حالانکہ جواب میں کہہ سکتی تھی کہ

آپ لوگ مجھے نہیں پکڑ نہیں سکیں گے۔''

''ہاتھ کنگن کو آرسی۔''

لڑکی اچانک دوڑ پڑی ... محمود اور فرزانہ نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ... اس کے پیچھے بھاگ پڑے ... ان کا خیال تھا ... ایک آدھ منٹ کے اندر وہ اس تک پہنچ جائیں گے ... لیکن ایک منٹ کی دوڑ کے بعد انہوں نے محسوس کر لیا ... یہ اتنا آسان کام نہیں ... کیونکہ درمیانی فاصلہ برقرار تھا۔

''یہ کیا فرزانہ۔''

''یہ لڑکی ہم سے کم تیز نہیں لگتی۔''

''اوہ !''فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے دوڑ بدستور جاری رکھی ...پانچ منٹ گزر گئے ... درمیانی فاصلہ کم نہ ہوا... اب تو محمود اور فرزانہ کو پسینہ آ گیا ... لڑکی انہیں شکست دینے پر تلی تھی ...

''لڑکی ! تم ...''

''ہاں لڑکی میں کیا۔''وہ ہنسی ۔

ایسے میں اچانک ایک چیخ گونج اٹھی۔

☆☆☆☆☆

دوسری لڑکی

چیخ ان پانچوں میں سے ایک کی تھی ...انہوں نے دیکھا ، اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا ۔

''ارے ! یہ کیا ہوا ؟''

''پتا نہیں ... کس طرف سے پتھر آیا ہے ... اس کی پیشانی پر لگا ہے... ہم اسے ہسپتال لے جا رہے ہیں ... اس لڑکی سے تو بعد میں نبٹیں گے ۔''

وہ اپنے ساتھی کو ایک سمت میں لے گئے ...وہاں ایک جیپ کھڑی تھی ، انہوں نے زخمی ساتھی کو جیپ میں بٹھایا اور یہ جا وہ جا ۔

اب وہ اس طرف مڑے جہاں لڑکی موجود تھی ۔

''ارے !وہ کہاں گئی ...''محمود کے منہ سے نکلا ۔

''موقع پا کر نکل گئی ... ہم اس طرف دیکھنے لگے تھے نا۔''

فرزانہ بولی۔

''اور ہم نے لڑکی کو پولیس والے پر پتھر پھینکتے نہیں دیکھا۔''

''نہیں بالکل نہیں ... وہ تو پوری طرح ہماری طرف متوجہ تھی۔''

''تب پھر اس پولیس مین پر پتھر کس نے پھینکا۔''

''مجھے کیا پتا ... نہ جانے کیا چکر ہے۔''

''وہ لڑکی یہیں کہیں چھپی ہو گی ... ہم اسے تلاش کر سکتے ہیں۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''میں ایسا نہیں سمجھتی ... وہ اتنی دیر میں نہ جانے کہاں کی کہاں پہنچ چکی ہو گی ... ہم تو پہلے ہی اس سے دوڑ میں درمیانی فاصلہ کم نہیں کر سکے تھے ... یہ جنگل گھنا ہے ... درخت بھی بہت گھنے ہیں ... ایسی جگہ میں تو چھپنے کی ان گنت جگہیں ہوتی ہیں ...'' فرزانہ نے منہ بنایا۔

''اس کے باوجود میں اسے تلاش کرنا پسند کروں گا ... ہاں تم اس کام کو وقت ضائع کرنا خیال کر رہی ہو تو تم چلو مہمان خانے کی طرف ... میں اپنا اطمینان کر کے آجاتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے ... یونہی سہی۔''

یہ کہہ کر فرزانہ مڑی ... اور تیز تیز قدم اٹھاتی مہمان خانے کی طرف چلی گئی ... محمود نے کندھے اچکادیے اور لڑکی کی تلاش شروع کر دی ... وہ دو گھنٹے تک مسلسل کوشش کرتا رہا، لیکن اس لڑکی کا کوئی

سراغ نہ ملا ... تلاش کے سلسلے میں وہ مہمان خانے سے بہت دور نکل آیا تھا ... آخر مایوس ہو کر وہ مڑنے لگا تھا کہ جنگل میں اسے ایک چھوٹا سا مکان نظر آگیا ... اسے بہت حیرت ہوئی کہ یہاں کس نے مکان بنا لیا ... غیر ارادی طور پر اس کے قدم مکان کی طرف اٹھنے لگے ... آخر وہ اس مکان کے دروازے پر پہنچ گیا ... دروازہ بند تھا ... مکان چھوٹا لیکن بہت صاف ستھرا تھا ... محمود نے ایک قدم آگے بڑھ کر دستک دی ... جلد ہی ایک بوڑھی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی ...

''کون؟''

''جی میں ایک مسافر ... مہربانی فرما کر دروازہ کھولیے۔''

''ایک منٹ!'' آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

پھر دروازہ کھل گیا اور ایک بہت بوڑھی عورت کا چہرہ نظر آیا۔

''آپ ... آپ کون ہیں۔''

''میں نواب صاحب کا مہمان ہوں۔''

''اوہو اچھا!'' بڑھیا نے منہ بنایا ... گویا اسے نواب کے مہمان سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک لڑکی کی تلاش میں ہوں ... وہ ادھر تو نہیں آئی۔''

''یہاں تو بس میری بیٹی ہے میرے ساتھ۔''

''آپ کی بیٹی ... کیا مطلب؟''

''بیٹی ... بیٹی کا مطلب تو بس بیٹی ہوتا ہے۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

اس وقت تک محمود اس کا بغور جائزہ لے چکا تھا ... یوں لگتا تھا جیسے وہ بہت غربت کی زندگی گزار رہی ہو۔

''مجھے افسوس ہے ... میں نے آپ کو زحمت دی ... اب لڑکی پولیس والوں کے لیے دردِ سر بنی ہوئی تھی ... میں نے چاہا پولیس کی مدد کر دیں ... اسے پکڑ کر ان کے حوالے کر دیں ... لیکن وہ تو چھلاوہ نکلی ... اچھا میں چلا۔

''ارے مگر ... بیٹا ... چائے تو پی کر جاؤ ... اپنی ریاست کے تو لگتے نہیں ... نواب صاحب کے مہمان غیر ملکی ہی ہو سکتے ہیں۔''

''جی ہاں ... میں پڑوسی ملک کا ہوں ... ویسے اس ریاست کی زبان بھی اردو ہی ہے۔'' محمود بولا۔

''ہاں! پہلے بھی یہ علاقہ بھی ملک کا حصہ رہا ہوگا ... نہ جانے کیسے یہ ملک سے الگ ہو گیا اور آزاد ریاست بن گیا۔''

''اس علاقے کے لوگوں نے اپنے ملک کی حکومت سے علیحدگی کا

مطالبہ کیا ہوگا ... دنیا میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔''

''ہاں! یہی بات ہے ... لیکن بیٹا ... چائے کے بغیر تو میں بھی تمہیں نہیں جانے دوں گی ... بیٹی ... مہمان کے لیے ایک کپ چائے تو بنا دو۔'' بڑھیا نے اندرونی کمرے کی طرف منہ کر کے کہا۔

''اچھا ماں۔'' اندر سے آواز آئی ...

اب محمود کو وہاں بیٹھنا پڑ گیا ... ایک بوڑھی عورت کی خواہش کی وجہ سے اس سے انکار نہ ہو سکا۔

جلد ہی چودہ پندرہ سال کی ایک لڑکی چائے کا کپ اٹھائے اس کمرے میں آ گئی ...

''یہ لیں جناب!'' لڑکی بولی۔

محمود نے ایک نظر اس پر ڈالی ... بے چاری بہت دبلی پتلی اور کمزور تھی ... آواز میں بھی کمزوری جھلک رہی تھی ... اور ایسا ضرور غربت کی وجہ سے تھا ... محمود نے چائے کا کپ لے لیا ... لڑکی واپس اسی کمرے میں چلی گئی۔

''آپ دونوں اکیلے ہیں کیا۔''

''ہاں بیٹا ... ہم دنیا میں اکیلے ہیں ... اس کی بھی شادی ہو جائے گی تو میں بالکل تنہا رہ جاؤں گی۔''

''لیکن کیوں ماں جی ... آپ بھی ان کے ساتھ ہی چلے جائیے گا۔''

''لڑکے والے اس بات کو مانیں تب نا ...''

''ہوں ... یہ بات بھی ہے ... آپ دونوں کی گزر بسر کیسے ہوتی ہے۔''

''دونوں مل کر کچھ کام کاج کر لیتی ہیں ... یہ سلائی کا کام کر لیتی ہے اور میں لحافوں میں دھاگے ڈالنے کا کام کرتی ہوں ... آس پاس کے لوگ بہت اچھے ہیں ... کام دے جاتے ہیں ... مزدوری بھی وقت پر دے دیتے ہیں۔''

''محمود کا دل بھر سا آیا ... چائے ختم کرتے ہی اس نے بڑھیا کی نظر بچا کر جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور کپ کی پلیٹ کے نیچے رکھ دیے ...''

''اچھا ماں جی ... میں چلا... چائے کا بہت بہت شکریہ ... مزے دار تھی ...''

''اچھا بیٹا۔''

اور وہ کمرے سے نکل آیا ... ابھی چند قدم دور گیا ہی تھا کہ اسی لڑکی کی آواز سنائی دی۔

''اے جناب! یہ نوٹ کس خوشی میں رکھ کر جا رہے ہیں ... میں اور میری ماں اپنے ہاتھوں کی کمائی سے اپنا گزارا کرتی ہیں ... آپ کا شکریہ؟''

یہ کہتے ہی اس نے نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیے ... اور جانے کے لیے مڑ گئی۔

''ارے ارے ... رکھ لیں ... میں نے انسانی ہمدردی کے تحت دیے ہیں۔''

''شکریہ! اس نے مڑے بغیر کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے گھر میں داخل ہوگئی ... ساتھ ہی محمود نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی ... اسے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے دکھ سا ہوا ... لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا ... اس نے جان لیا تھا وہ یہ نقدی نہیں لیں گی ... غیرت مند لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

وہ مہمان خانے میں داخل ہوا تو فرزانہ فاروق سے کسی بات پر جھگڑ رہی تھی۔

''کیا ہوا بھئی ... خیر تو ہے۔''

''مجھ سے تمھارے بارے میں پوچھ رہے تھے بھائی صاحب ... اب میں تمھیں کوئی جیب میں تو لیے نہیں پھرتی۔''

''ہاں واقعی ... یہ تو ہے ... ویسے فرزانہ تمھاری جیبیں اتنی بڑی ہیں کیا ؟'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''لڑکی ملی ؟'' فرزانہ نے کہا۔

''وہ تو نہیں ملی ... البتہ دوسری لڑکی ضرور مل گئی تھی۔''

''دوسری لڑکی ... کیا مطلب ...''

''اس لڑکی کی تلاش میں میں دور نکل گیا تھا ... ایسے میں ایک گھر دکھائی دیا ... گھر درختوں میں گھرا ہوا تھا ... اس میں ایک عورت اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی ہے۔''

''تب پھر وہ وہی لڑکی ہوگی ...'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''نہیں ... خیر ... وہ تو وہ لڑکی نہیں ہے ... وہ بے چاری تو غربت کی ماری بہت کمزور سی لڑکی ہے ... جب کہ پہلی والی تو چھلاوہ تھی ... چھلاوہ۔''

''اور دوسری والی۔''

''دونوں ماں بیٹی غربت کے دن گزار رہے ہیں ... انھیں دیکھ ترس آتا ہے۔''

''تو پھر کچھ مدد کر کے آنا چاہیے تھا۔''

''وہ میں کر کے آیا ہوں۔''

''بس ٹھیک ہے ... ارے ہاں یاد آیا ... ان پانچ میں سے ایک زخمی ہو گیا تھا ... اس سارے معاملے میں یہ بات بہت عجیب تھی ... لڑکی کی طرف تو ہم متوجہ تھے ... اس نے تو ایسی حرکت کی نہیں تھی ... تو پھر وہ روڑا اسے کس نے مارا ... کیا وہاں لڑکی کا کوئی اور ہمدرد بھی تھا۔''

''نظر تو نہیں آیا۔''

''اس زخمی سے پوچھیں گے ... شاید وہ کچھ بتا سکے۔''

''ہاں ! ٹھیک ہے۔''

ایسے میں ان دونوں نے محسوس کیا کہ فاروق بالکل خاموش ہے ... انھوں نے اس کی طرف غور سے دیکھا ... پھر فرزانہ چونک کر بولی۔

''اوہو ... تو کیا یہ بات ہے۔''

''کیا مطلب ... کون سی بات۔'' محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

''فاروق کی طرف دیکھو۔''

محمود نے فاروق کے چہرے پر نظر جمادی ... لیکن کوئی بات محسوس نہ کر سکا ... اس نے بھنا کر کہا۔

''اس کے چہرے پر تو کچھ بھی لکھا نظر نہیں آیا۔''

''تب پر تمھاری نظر کمزور ہوگئی ہے ... مجھے تو صاف لکھا نظر آرہا

ہے۔"

"کیا ... کیا نظر آرہا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ کہ وہ فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔"

"یہ کہ وہ ... نہیں تو ... یہ الفاظ تو بالکل بھی لکھے نظر نہیں آرہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"میرا مطلب ہے، یہ لکھا نظر آرہا ہے کہ وہ پتھر فاروق نے اس پولیس مین کو مارا تھا۔"

"کیا !!!" محمود اور فاروق کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆☆☆☆☆

سازش

"اس بار میں نے آپ لوگوں کو سیر کے لیے نہیں بلایا۔"

"جی کیا مطلب ؟" انسپکٹر جمشید بری طرح اچھلے۔

نواب صاحب نے یہ بات ہی ایسی عجیب کہی تھی... کیونکہ انھوں نے آج تک جب بھی بلایا تھا ... سیر اور شکار کے لیے ہی بلایا تھا ... یہاں آنے کے بعد ان کی نواب صاحب سے ابھی ملاقات ہوئی تھی... دو دن پہلے وہ آئے تھے تو انھیں مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا تھا ... لیکن ساتھ ہی بتایا گیا تھا ... کہ نواب صاحب کو اچانک کہیں جانا پڑا ہے ... دو دن تک آئیں گے ... پھر آپ سے ملاقات کریں گے ... اور آج ہی وہ واپس آئے تھے ... آتے ہی انھوں نے یہ پیغام بھیج دیا تھا کہ ملاقات کے لیے آجائیں۔

ان کی نظریں نواب اختشام کے چہرے پر جم گئیں ... انھیں یوں لگا جیسے نواب صاحب اچانک بہت بوڑھے ہو گئے ہوں... حالانکہ وہ

ابھی جوان تھے ... اس سے پہلے وہ جب بھی ریاست میں آتے تھے...
انھیں ہمیشہ تروتازہ اور ہنستا کھیلتا ہی محسوس کیا تھا ... کبھی ان کے
چہرے پر پریشانی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔

''ہم سمجھے نہیں نواب صاحب۔''

ایسے میں انھیں دروازے پر ہلکی سی آواز سنائی دی ... وہ اس
وقت نواب صاحب کے خاص کمرے میں تھے ... اور اس کمرے میں
اجازت کے بغیر کوئی نہیں آسکتا تھا ... انھوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر
انھیں خاموش ہونے کا اشارہ کیا ... پھر دبے پاؤں اٹھ کر دروازے تک
گئے اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا ... لیکن وہاں کوئی نہیں تھا ...
انھوں نے تین چار گہرے سانس لیے اور پھر چٹخنی لگاتے ہوئے واپس
آگئے۔

''باہر کوئی تھا ضرور ... برآمدے میں خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔''

''تب تو آپ آسانی سے بتا سکتے ہیں کہ کون تھا ... خوشبو کو آپ
پہچانتے ہی ہوں گے۔''

''یہی تو مصیبت ہے۔'' انھوں نے برا سا منہ بنایا۔

''جی مصیبت ... کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ... ہم سب ایک ہی خوشبو استعمال کرتے ہیں ...

ہیں بھی میری بیگم بھی ... میرے بچے بھی اور چھوٹے بھائی بھی ... ان
حالات میں خوشبو سونگھ کر یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ باہر کون تھا۔''

''آپ حالات کی بنیاد پر اندازہ لگا سکتے ہیں۔''

''ہاں! یہ ... ٹھیک ہے ... اور میرا خیال ہے ... وہ میری بیگم
تھیں ... وہ دبے پاؤں دروازے تک آئی تھیں ... تاکہ ہماری باتیں سن
سکیں ... لیکن میرے خاموش ہوتے ہی وہ سمجھ گئیں کہ میں بھانپ گیا
ہوں ... اس لیے وہ کھسک لیں۔''

''لیکن بیگم صاحبہ کو چوری چھپے آپ کی باتیں سننے کی کیا ضرورت
ہے۔''

''یہ ایک عجیب وغریب معاملہ ہے ... کوئی نامعلوم شخص اس
کوشش میں ہے کہ میں اس ریاست کا نواب نہ رہوں ... اس غرض کے
لیے وہ پراسرار طریقہ اختیار کر رہا ہے ... وہ میری زندگی کے راز جاننے
کی فکر میں ہے ... تاکہ رعایا کے سامنے وہ راز لا سکے۔''

''تو کیا آپ کی زندگی کے کچھ ایسے راز ہیں ... جن کی بنیاد پر
آپ اس ریاست کے نواب نہ رہ سکیں۔''

''ہر انسان کی زندگی میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں ... میں آج کے
دور کے انسانوں کی بات کر رہا ہوں ... مبارک ہستیوں کی بات نہیں کر

رہا..."

"اگر آپ بعض باتوں کی وجہ سے ریاست کے نواب رہنے کے اہل نہیں ہیں تو پھر تو آپ کو ویسے ہی ریاست کے اس منصب سے الگ ہو جانا چاہیے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں... لیکن یہ اس صورت میں مناسب ہوگا، جب ریاست کے لیے کوئی مجھ سے زیادہ پاک باز آدمی موجود ہو اور قابلیت کے لحاظ سے بھی اس عہدے کا حق دار ہو... دوسری بات میری زندگی کی کمزوریاں نواب بننے سے پہلے کی ہیں... جب سے میں ریاست کا نواب بنا ہوں، اس وقت سے میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"نواب بننے سے پہلے کی کوئی کمزوری کسی کے ہاتھ آجاتی ہے تو کیا اس صورت میں بھی آپ اس منصب کے اہل نہیں رہیں گے۔"

"ہاں! ریاست کا قانون یہی ہے... ریاست کے نواب کو بالکل صاف ستھرے کردار کا مالک ہونا چاہیے، لہذا کوئی ایسی بات سامنے آگئی تو مجھے الگ ہونا پڑے گا۔" نواب صاحب بولے۔

"میرے خیال میں یہ قانون درست نہیں... دیکھیے نا... اسلام اسلام لانے سے پہلے کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے... ہمارے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اسلام لانے سے پہلے طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا تھے... اسلام لانے کے بعد وہ بالکل پاک صاف ہوگئے اور انھوں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے کہ آج تک مثالیں نہیں مل سکیں۔"

"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے... لیکن ریاست کے قانون پر میں اعتراض نہیں کر سکتا... ہاں میں عہدے سے الگ ہونے کے بعد اس قانون کو بدلنے کے لیے عدالت میں جا سکتا ہوں... عہدے پر رہتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"اچھی بات ہے... کیا آپ کو ان بیگم صاحبہ کی طرف سے بھی خطرہ ہے... یعنی وہ بھی آپ کو اس عہدے سے ہٹ[illegible] لے رہی ہیں... یا لے سکتی ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"ان کے سگے بھائی اسام خان کو یہ عہدہ مل سکتا ہے... وہ بھی اس عہدے کے اہل ہیں..."

"نواب بنائے جانے کا طریقہ کیا ہے۔"

"پوری ریاست میں سے پانچ یا چھ آدمی نواب بننے کے لیے

عدالت میں کاغذات جمع کراتے ہیں ... پھر پوری ریاست کے بالغ لوگ ان لوگوں کو ووٹ دیتے ہیں ... ان میں سے جس کے ووٹ زیادہ ہوتے ہیں ... وہ نواب بن جاتے ہیں۔''

''کیا آپ بھی اسی طرح نواب بنے تھے۔''

''ہاں! میرے والد صاحب کے فوت ہونے کے بعد الیکشن کرائے گئے تھے۔''

''مطلب یہ کہ یہاں جو نواب بن جاتا ہے ... وہ اپنی موت تک نواب رہتا ہے ...''

''اگر موت تک وہ درست صحت کا مالک رہے ... بیماری ہو جائے یا جسمانی طور پر کام کے قابل نہ رہے تو پھر دوسرا نواب چن لیا جاتا ہے۔''

''ہوں ... اب یہ بتایئے یہاں اب تک اس سلسلے میں کیا باتیں سامنے آتی ہیں۔''

''ایک پر اسرار لڑکی ہے وہ اچانک نمودار ہوتی ہے ... پولیس کے دو چار سپاہیوں سے ٹکر لیتی ہے ... ان سے لڑ بھڑ کر غائب ہو جاتی ہے ... پولیس ابھی تک اسے گرفتار نہیں کر سکی ... یہ بھی اسی سازش کا ایک حصہ ہے ... یعنی اس طرح مجھے پریشان کیا جا رہا ہے ... تا کہ میں تنگ آ کر استعفیٰ دے دوں ... دوسری بات میرے نواب بننے سے پہلے

کے راز جاننے کی کوشش کی جا رہی ہے... کل سے میرے کاغذات کئی بار چرائے جا چکے ہیں۔''

''اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ چور کون ہے۔''

''نہیں ... لیکن ظاہر ہے ... محل کا ہی کوئی فرد ہے ... یہ محل میں آنے جانے والوں میں سے کوئی ہو سکتا ہے ... اب محل کا جو شخص ہے ... وہ تو میری بیگم ہو سکتی ہیں... باہر کا کوئی آدمی جو محل میں آتا جاتا ہے، وہ ان کا بھائی ہے ... یوں اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں ... لیکن زیادہ شک انھی کی طرف جاتا ہے۔''

''ہوں ... اور کون لوگ ہو سکتے ہیں۔''

''میرے چھوٹے بھائی زلال جان ... اگر چہ ایسا ہونا مشکل بھی ہے... پھر بھی ایک نام بہرحال بھائی کا بھی ہے۔''

''اور کوئی ؟''

''میرے نائب نشان وہ بھی ریاست کے نواب بن سکتے ہیں ... اگر میں کسی وجہ سے ریاست سے الگ ہو جاتا ہوں تو الیکشن میں وہ حصہ لے سکتے ہیں۔''

''اور کردار کی بات کیسے طے ہوتی ہے۔''

''کاغذات جمع کرانے سے پہلے اپنے کردار کی صفائی دینی پڑتی

ہے... کردار کی جانچ پڑتال کرنا پڑتی ہے۔''

''ہوں ... آپ کا مطلب ہے ... کوئی آپ کے خلاف سازش کررہا ہے ، وہ آپ کے ماضی کی کمزوریوں کا سراغ لگانے کی کوشش میں ہے ... اوراس سلسلے میں وہ محل سے آپ کے کاغذات کئی بار چرا چکا ہے۔''

''ہاں!بالکل یہی بات ہے۔''

''اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کی کوئی ایسی کمزوری ضرور ہے... جس کی وجہ سے آپ کو ریاست کی نوابی چھوڑنا پڑ سکتی ہے ... یعنی اگر وہ آپ کے مخالفین کے علم میں آجائے ... تو۔''

''یہی بات ہے۔''

''کیا آپ ہمیں وہ کمزوری بتا سکتے ہیں۔''

''نہیں۔''انھوں نے صاف طور پر انکار کیا۔''

''کیا اس کمزوری کے ہوتے ہوئے آپ اس عہدے کے اہل ہیں۔''

''نہیں۔''

''تب تو آپ کو رضا کارانہ طور پر اس عہدے سے الگ ہوجانا چاہیے۔''

''اس صورت میں کوئی ایسا آدمی نہیں ... جو مکمل طور پر ریاست کے نواب ہونے کا اہل ہو ...''

''یہ آپ کا خیال ہے ... ہوسکتا ہے ، ریاست کے لوگوں کا یہ خیال نہ ہو اور ان کی نظروں میں کچھ لوگ آپ سے زیادہ اہل ہوں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ... اس بات کا امکان ہے۔''

''تب تو پھر آپ خود اپنی کمزوری ظاہر کردیں ... اور جو اہل لوگ ہیں ، انھیں دعوت دیں کہ الیکشن لڑیں ... آپ کو کوئی اعتراض نہیں ...''

''میں ذاتی طور پر نہایت دیانت داری سے یہ سمجھتا ہوں کہ اس طرح ریاست ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی ... جو ہمارے دشمن ملک کے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں ... میرا مطلب ہے شارجستان سے ہے۔''

''اوہ... اگر بات واقعی یہ ہے تو پھر یہ خطرناک ترین بات ہے۔''

''اور میں اسی لیے پریشان ہوں۔''

''لیکن نواب صاحب ... اگر اچانک آپ کی موت واقع ہو جاتی ہے ... تو اس صورت میں بھی تو کوئی نواب بنے گا۔''

''میں اپنی موت کی صورت میں تو ظاہر ہے کچھ نہیں کر سکتا ...

لیکن اپنے عہدے میں کچھ ایسے لوگ ضرور اقتدار کے قابل بنانے کی کوشش کرتا رہوں گا کہ وہ کسی غلط آدمی کو نواب نہ بننے دیں۔‘‘

’’اب ہمیں یقین ہو گیا... آپ کی نیت ٹھیک ہے ... آپ کو اقتدار کا لالچ نہیں ... اور آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، ریاست کے لیے کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’یہی بات ہے ... اسی لیے میں نے آپ لوگوں کو بلایا ہے۔‘‘

’’یہی بات سمجھ میں نہیں آئی۔‘‘ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

’’کیا مطلب؟‘‘

’’مطلب یہ کہ ہم یہاں کیا کر سکیں گے ... اگر آپ کے مخالف لوگ آپ کی کمزوری معلوم کر لیتے ہیں ... تو ہم آپ کی کیا مدد کر سکیں گے۔‘‘

’’اس سے پہلے پہلے آپ کو ان لوگوں کا پتا لگانا ہے ... جو سازشیں کر رہے ہیں ... آپ کاغذات کے چور کو تو پکڑ سکتے ہیں ... قانون اس شخص کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ محل سے کاغذات یا کوئی اور چیز چرالے ... اگر اسے نواب پر کسی قسم کا شک ہے تو وہ یہ بات عدالت کے سامنے لائے ... عدالت خود فیصلہ کرے گی ... اس الزام کی چھان بین کے لیے کسی کو مقرر کرے گی۔‘‘

’’ہوں ... ہم سمجھ گئے ... کیا ہم محل کے لوگوں سے اور محل سے باہر کے لوگوں سے پوچھ گچھ کر سکتے ہیں۔‘‘

’’اسی لیے تو آپ کو بلایا گیا ہے ... میری پولیس یہ کام ابھی تک نہیں کر سکی ... یہ اجازت تو انھیں بھی دی گئی تھی ... لیکن انھیں کوئی کامیابی نہیں ہو سکی...‘‘

’’ٹھیک ہے ... آپ فکر نہ کریں ... اگر آپ اس ریاست کے نواب رہنے کے اہل ہیں تو ہم آپ کے خلاف ہونے والی سازش کو بے نقاب کر دیں گے ... کاغذات کے چور کو پکڑ دیں گے ... آپ ہمیں ریاست کے قانون کی ایک کاپی دے دیں ... محل کے لوگوں کو ہدایت کر دیں کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں ... کیونکہ پوچھ گچھ کے سلسلے میں ہمیں سب کے پاس جانا ہوگا۔‘‘

’’یہ کام ہو جائے گا ... آپ لوگ کب سے کام شروع کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’ابھی اور اسی وقت سے اور سب سے پہلے ہم آپ کی بیگم سے سوالات کرنا چاہتے ہیں ... آپ انھیں یہیں بلا لیں ... سوالات کے وقت آپ موجود رہنا چاہیں تو ٹھیک ... ورنہ آپ چلے جائیے گا۔‘‘

’’میں آپ کو آزادانہ کام کی دعوت دیتا ہوں ... اس لیے میں

جارہا ہوں ... بیگم اپنی خادمہ کے ساتھ یہاں ساتھ والے کمرے میں آ کر بیٹھ جائیں گی ... آپ دروازے کے اس طرف رہیں گے ... وہ دروازے کے اس طرف ... اس طرح آپ سوالات کر سکیں گے ۔''

''ہم سوالات تو ضرور کر سکیں گے ... لیکن ۔'' انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے ۔''

''کیسے ... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ۔''

''کیا آپ کی بیگم پردہ کرتی ہیں ۔''

''نہیں !''

''تب پھر وہ ہمارے سامنے بیٹھ کر سوالات کے جوابات کیوں نہ دیں ... دراصل سوالات کرتے ہوئے چہرے کے تاثرات بھی دیکھنے پڑتے ہیں ... اور اس بات کا سراغرسانی سے بہت گہرا تعلق ہے ... ہم نے اکثر کیس چہرے کے تاثرات نوٹ کر کے حل کیے ہیں ۔''

''اچھی بات ہے ... وہ یہیں بیٹھ کر سوالات کے جوابات دیں گی ... میں ان سے کہہ دیتا ہوں ۔''

''اور ان کے بعد ہم ان کے بھائی سے بھی سوالات کریں گے ... ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے ۔''

''میرا خادم آپ کو ان کے پاس لے جائے گا اور بھی آپ جن

سے بات کرنا چاہیں گے ... خادم کرادے گا ۔''

''بہت بہتر ! تب تو پھر پہلے خادم کو بھیج دیں ... بیگم صاحبہ کو ہم انھی کے ذریعے بلالیں گے ۔''

''اچھی بات ہے ... یہ کہہ کر انھوں نے تالی بجائی ... فوراً ہی ایک سیاہ رنگ کا آدمی اندر داخل ہوا ... وہ بہت دبلا پتلا اور بہت لمبے قد کا آدمی تھا ۔''

''احمر ہے ۔''

''شکریہ ! آپ جہاں جانا چاہیں ، جا سکتے ہیں ۔''

نواب صاحب کمرے سے نکل گئے ... اب وہ خادم کی طرف مڑے ۔''

''آپ احمر ہیں اور میں انسپکٹر جمشید ۔''

'میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں ... '' وہ مسکرایا ۔

''ہمیں بیگم صاحبہ سے کچھ سوالات کرنے ہیں ... لیکن ان سے پہلے ہم آپ سے کچھ بات کرنا پسند کریں گے ۔''

''میں حاضر ہوں ۔''

''آپ کا اس سارے معاملے کے بارے میں کیا خیال ہے ۔''

''کون سے معاملے کی طرف اشارہ ہے آپ کا۔''اس نے بھنویں اچکائیں۔''

''یہی کہ کوئی نامعلوم شخص نواب صاحب کے خلاف سازش کر رہا ہے... اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ان کے کاغذات محل سے چرائے گئے ہیں ... دوسری طرف کوئی چھلاوہ لڑکی انھیں پریشان کر رہی ہے ... آپ کو ان باتوں کے بارے میں علم ہے؟''

''جی ہاں !نواب صاحب بہت پریشان ہیں ... اور سبھی کو یہ باتیں معلوم ہیں۔''

''میں اسی سلسلے میں آپ کا خیال جاننا چاہتا ہوں۔''

''ان کے خلاف سازش تو واقعی ہو رہی ہے ... لیکن سازش کون کر رہا ہے ... یہ کسی کو معلوم نہیں۔''

''ہم آپ کا خیال جاننا چاہتے ہیں۔''

''میں ایک خادم ہوں ... میری کیا حیثیت ... مجھے اس بارے میں بالکل کوئی اندازہ نہیں۔''

''خیر ... یہ تو نہیں ہو سکتا۔''

''کیا مطلب ... کیا نہیں ہو سکتا۔''وہ چونکا۔

''یہ کہ آپ نے کوئی اندازہ نہ لگایا ہو۔''

''اگر آپ کی بات مان لی جائے ... تب بھی وہ میرا ذاتی اندازہ ہے... اور میں بتانا پسند کروں گا۔''

''اچھی بات ہے ... آپ بیگم صاحبہ کو بلا کر لے آئیں۔''

''جی اچھا۔''

احمر چلا گیا ... تھوڑی دیر بعد قدموں کی آہٹ سنائی دی ... انھوں نے نظریں اٹھائیں ... بیگم صاحبہ چلی آ رہی تھیں ... اس لمحے نہ جانے کیوں انسپکٹر جمشید کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔

☆☆☆☆☆
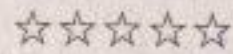
وہ پانچوں

پھر دونوں کی نظریں فاروق پر جم گئیں۔

''یہ کیا میری بات سن کر محمود کو تو چلا اٹھنا چاہیے تھا ... تم کیوں چلائے۔''فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

''مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ تم نے یہ بات کیسے بھانپ لی۔''

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ چڑتی اڑیاکے ... مم میرا مطلب ہے ... اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔''

''اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔''

''چلو خیر ... کوئی بات نہیں ... اب تو یاد آگیا نا۔''

''ہاں بالکل... اب بتاؤ ... تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی ... کیا تم لوگوں کا یہ اصول نہیں کہ قانون کے محافظوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ... اگرچہ یہ قانون کے محافظ ہمارے ملک کے نہیں ہیں ... لیکن ہیں تو

محافظ۔''

''مجھے یہ اصول یاد ہے ... لیکن میں مجبور ہو گیا تھا ... مہمان خانے کی چھت پر میں تم لوگوں کی بھاگ دوڑ اور آنکھ مچولی دیکھ رہا تھا ... بس ایسے میں میری نظر ان باغیوں میں سے ایک پر جم گئی ... یہاں تک کہہ کر فاروق خاموش ہو گیا۔''

''ایک تو تم میں یہ بات بہت بری ہے کہ بات کو درمیان میں چھوڑ دیتے ہو... ہے کوئی تک۔''محمود نے بھنا کر کہا۔

''نہیں ہے ... فاروق مسکرایا۔''

''کیا نہیں ہے ... فرزانہ بولی۔

''تک اور کیا۔''

''دھت تیرے کی۔''

''میں نے دیکھا ... وہ پانچواں ... اپنے ساتھیوں سے چھپ کر ... ایک درخت کی اوٹ لے کر پستول سے اس لڑکی کو نشانہ بنا رہا تھا۔

''کیا ...''دونوں خوف زدہ انداز میں چلائے۔

''ہاں! اور لڑکی اس کے نشانے پر آچکی تھی ... یہ تو مجھے پتا نہیں ... لڑکی اس گولی کا نشانہ بن جاتی یا نہیں ... بس مجھے اس لڑکی پر ترس آگیا اور میں نے اپنی ایک چیز اس پولیس مین پر پھینک ماری ... کیونکہ

... مہمان خانے کی چھت تو بالکل صاف ستھری ہے ... وہاں کسی پتھر کا کیا کام۔''

''ہاں! لیکن یہاں تم بھول گئی ... میری جیب میں ایسی چیزیں ہیں...'' فاروق یہ کہتے ہوئے مسکرایا۔

''چلو یہ تو ہوا ... لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ وہ پولیس مین اس لڑکی کو کیوں ہلاک کرنا چاہتا تھا ... کیا انھیں حکم ملا ہے ... کہ وہ لڑکی اگر پکڑی نہ جا سکے تو اسے گولی مار دی جائے ... اور اس لڑکی کو قصور کیا ہے ... یہ لوگ اسے کیوں پکڑنا چاہتے ہیں۔'' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''ہمیں تو انھوں نے یہی بتایا تھا کہ یہ لڑکی چور ہے۔''

''لیکن چوری کی سزا موت نہیں ہے۔'' فاروق نے کہا۔

''یہی بات ہے ... میرا خیال ہے ... ہمیں فوری حرکت میں آجانا چاہیے ... ورنہ وہ لڑکی تو ماری جائے گی ... اپنے ایک ساتھی کے زخمی ہو جانے کی وجہ سے پولیس والے اور طیش میں آجائیں گے اور اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے ... کیا خیال ہے ہسپتال چل کر ان سے پوچھ تاچھ کیوں نہ کر لیں۔''

''اچھا خیال ہے۔''

وہ مہمان خانے سے باہر آگئے ... نواب صاحب کی طرف سے انھیں دو گاڑیاں ملی ہوئی تھیں ... ان کے ساتھ ڈرائیور بھی ہوتے تھے ... کیونکہ وہ تو ریاست کے راستے جانتے نہیں تھے۔

انھوں نے ڈرائیور کو بتایا کہ وہ ہسپتال جانا چاہتے ہیں ... اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''لیکن کون سے ہسپتال جناب؟''

''ایک پولیس مین تھوڑی دیر پہلے ہی زخمی ہوا ہے ... ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں ... اب اس کے ساتھی اسے کہاں لے گئے ہوں گے، یہ آپ کو معلوم ہوگا۔''

''میں سمجھ گیا ... آئیں۔''

جلد ہی وہ ہسپتال میں اس زخمی کے پاس موجود تھے ... وہ ہوش میں تھا ... انھیں دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''آپ کا اب کیا حال ہے۔''

''میں ... میں ٹھیک ہوں ... زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔''

''آپ اس لڑکی کو پستول کا نشانہ کیوں بنا رہے تھے۔''

''یہ ... یہ غلط ہے ... یہ کس نے کہہ دیا آپ سے۔'' وہ چلّا اٹھا۔

''جس نے آپ کی پیشانی پر کوئی چیز ماری تھی ... اسی نے بتایا

ہے کہ آپ اس لڑکی کو گولی مارنا چاہتے تھے۔"

"وہ ... وہ کون ہے۔" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

"اگر آپ کو بتا دیا جائے تو آپ کیا کریں گے۔"

"میں ... میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔"

"ارے باپ رے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"کیوں کیا ہوا۔"

"اس نے آپ کو جان سے تو نہیں مارا کہ آپ اسے کچا چبا جائیں گے۔"

"لیکن اس نے یہ حرکت کی کیوں۔" وہ چیخ پڑا۔

"بتایا تو ہے ... اس کا کہنا ہے کہ آپ اس لڑکی کو گولی مارنا چاہتے تھے۔"

"یہ ... یہ جھوٹ ہے۔"

"خیر ... اگر آپ اس شخص سے ملنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بتا دیں گے۔"

"کب بتا دیں گے ... ابھی بتائیں نا۔"

"نہیں ... آپ مہمان خانے آجایئے گا۔"

"میں ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

"اوہو ... بہت جلدی ہے آپ کو اس سے ملنے کی۔"

"ہاں ہے ... میرا خون کھول رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے ... آپ ہمارے ساتھ چلیے ... ہم آپ کو اس سے ملوا دیتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ ... آپ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"آپ کو پتا ہے ... ہم نواب صاحب کے مہمان ہیں۔"

"ہاں بالکل پتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ... چلیے۔"

وہ اسے اپنی گاڑی میں ہی مہمان خانے میں لے آئے ... اسے کرسی پر بٹھایا ... مہمان خانے کے خادم سے اس ـ یہ پـ ئی ... چائے اور دوسری چیزوں سے اس کی تواضع کی ... جب یہ سب ہو چکا تو اس نے کہا۔

"اب تو بتا دیں ... مجھ پر وار کس نے کیا تھا۔"

"تو آپ کا بیان ہے کہ آپ اس لڑکی کو اپنے پستول سے نشانہ نہیں بنا رہے تھے۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"اوکے ... آپ کی پیشانی پر شیشے کی گیند میں نے ماری تھی ...

میں نے دیکھا تھا کہ آپ ایک درخت کی اوٹ لے کر اس لڑکی پر فائر کرنے والے تھے ... اور آپ یہ کام اپنے ساتھیوں سے چھپ کر کر رہے تھے ... گویا آپ لوگوں کو یہ حکم نہیں ملا ہوا کہ وہ لڑکی جہاں نظر آئے، اسے گولی کا نشانہ بنا دیا جائے... بلکہ حکم صرف یہ ملا ہوا ہے کہ اسے گرفتار کیا جائے ... یہی بات ہے نا۔''

''ج ... جی ہاں! یہی بات ہے۔'' اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''تب پھر آپ اسے جان سے کیوں مار رہے تھے ... آپ کو ایسا کرنے کا کیا حق تھا۔''

''وہ ... میں نے سوچا، ایسے تو یہ قابو میں آتی نہیں ... کیوں نہ قصہ ہی ختم کر دیا جائے اس کا۔''

''اور آپ اپنے آفیسر کو کیا جواب دیتے۔''

''میں کہہ دیتا ... بلاارادہ گولی چل گئی ...''

''بات دل کو لگی نہیں ... اگر کوئی چکر ہے تو بتا دیں۔''

''ہم اس لڑکی کی وجہ سے اس حد تک تنگ آچکے ہیں ... جی چاہتا ہے، اسے کچا چبا جائیں ... یا پھر خود کو گولی مار لیں۔''

انھیں ہنسی آگئی ... شاید وہ سچ کہہ رہا تھا ... ایسے میں محمود نے

کہا۔

''اس لڑکی کا مسئلہ ہے کیا ... آپ لوگ کیوں اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔''

''اس نے ناک میں دم کر رکھا ہے ... اچانک نمودار ہوتی ہے... اور اچانک غائب ہو جاتی ہے۔''

''کسی کو نقصان وغیرہ پہنچتا ہے اس کے اس طرح آنے سے۔''

''بس کسی کی چیز اچک لی ... کسی کا موبائل لے اڑی ... اسی قسم کی حرکتیں کرتی ہے ....''

''اگر ہم اسے پکڑ کر آپ لوگوں کے حوالے کر دیں تو؟''

''یہ آپ کا ہم پر بہت احسان ہو گا، لیکن!''

''لیکن کیا؟''

''لیکن وہ آپ لوگوں کے قابو میں نہیں آئے گی۔''

''اس بات کو چھوڑیں ... آپ بات کا جواب دیں۔''

''ہم آپ کا احسان مانیں گے اور ہمارے پاس کیا ہے دینے کو ... ہم تو ریاست کے نچلے درجے کے ملازم ہیں ...''

''اس کی گرفتاری پر کوئی انعام نہیں مقرر کیا گیا؟''

''او ہاں! ریاست کی انتظامیہ نے اعلان کیا ہے ... ایک لاکھ

روپے کے انعام کا۔"

"تو وہ انعام آپ ہمیں دلوادیں گے۔"

"ضرور ... اگر آپ اس لڑکی کو ہمارے حوالے کردیں گے تو ہم انتظامیہ کو بتا دیں کے انعام کے حق دار دراصل آپ ہیں۔"

"چلیے یہ طے رہا ... اب ہم جاتے ہیں، اسے گرفتار کرنے ... ویسے وہ عام طور پر کہاں کہاں نمودار ہوتی ہے۔"

"بس جھیل کے آس پاس ... ریاست کا یہ مقام بہت پر فضا ہے ... اس سے زیادہ حسین جگہ اور ریاست میں کوئی نہیں ہو گی ... اس لیے یہاں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے ... بس ہجوم کے درمیان میں وہ اچانک نظر آتی ہے اور کسی کی کوئی چیز اڑا بھاگ نکلتی ہے ... پھر ہاتھ نہیں آتی۔"

"بس اب آپ یہ کام ہم پر چھوڑ دیں۔"

"دیکھیں گے ... امید تو نہیں۔"

"بس سمجھ لیں ... وہ لڑکی ہمارے قابو میں آگئی ... فاروق مسکرایا۔

"خیر خیر ...اس نے منہ بنایا اور لڑکی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے...پہلے تو انھوں نے جھیل کا ایک چکر لگایا ... اس کے چاروں

طرف کا غور سے جائزہ لیتے رہے ... پھر لوگوں کے ہجوم میں آگئے اور اس کے بارے میں لگے پوچھنے ،اب سب کے سب ایک ہی بات کہتے نظر آئے ... وہ بہت چھلاوہ ہے ... آندھی ہے ... طوفان ہے ... وہ دیر تک لوگوں سے ملتے رہے...ان سے باتیں پوچھتے رہے ... پھر اچانک کسی نے فاروق کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا، جب تک وہ چونکا ... لڑکی یہ جا ... وہ جا۔"

ارے ارے ... وہ نکلی جارہی ہے۔" فاروق چلایا اور پھر تینوں بے تحاشہ اس کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔

☆☆☆☆☆

ان کا نائب

''آیئے بیگم صاحبہ ! آپ کو زحمت دی ... امید ہے ، محسوس نہیں کریں گی ۔''

''کوئی ایسی بات نہیں ... آپ یہ سب ہمارے لیے ہی تو کر رہے ہیں ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بیٹھ گئیں ... انھوں نے دیکھا ... وہ ایک نوجوان عورت تھیں ... ان کی آنکھیں نیلی تھیں ... رنگ سرخ وسفید تھا اور قد لمبا تھا ... دیکھنے میں وہ کافی ڈھیلی ڈھالی سی نظر آتی تھیں ... اور انسپکٹر جمشید کو خود پر حیرت تھی کہ آخر وہ انھیں دیکھ کر شک کا شکار کیوں ہوگئے ہیں ۔''

''آپ کو یہ بات معلوم ہی ہو گی کہ کوئی نامعلوم شخص نواب صاحب کو نقصان پہنچانے کے چکر میں ہے ... یعنی وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہے کہ نواب صاحب ریاست کے نواب رہنے کے اہل نہیں ہیں ... یعنی ان کے کردار میں کوئی ایسی خرابی ہے جس کے سامنے آنے پر وہ

اہل نہیں رہیں گے ... اور وہ نواب صاحب کی اس کمزوری کو جانتا ہے ...''

''ہاں ! یہ بات ہمیں معلوم ہے ... محل میں سے ان کے کاغذات چوری ہو چکے ہیں ... اور پھر پراسرار سرگرمیاں دیکھنے میں آتی ہیں ... یعنی محل میں چوری چھپے باتیں سننے کی کوشش کی جاتی ہے ... ریاست میں ایک چھلاوہ لڑکی کی کاروائیاں سننے میں آتی ہیں ... عام خیال یہ ہے کہ وہ لڑکی بھی اس سازش کا حصہ ہے ۔''

''ان حالات میں آپ کیا کہتی ہیں ... کیا نواب صاحب کے کردار کا کوئی ایسا پہلو ہے کہ وہ نواب رہنے کے قابل نہیں رہیں گے ... یعنی اگر وہ بات معلوم ہو جائے ۔''

''نواب صاحب اس بات سے انکار کرتے ہیں ۔''

''ہم آپ کا خیال جاننا چاہتے ہیں۔''

''میرے خیال میں یہ کسی دشمن کی کاروائی ہے اور بس ... ورنہ نواب صاحب بالکل بے داغ ہیں ۔'' انھوں نے کہا ۔

اس وقت انھوں نے محسوس کیا کہ بیگم صاحبہ کی زبان پر جو کچھ ہے ... دل اس کے خلاف ہے ... یعنی اندر سے وہ یہ سمجھتی ہیں کہ نواب صاحب کا کردار صاف نہیں ہے ... لیکن بات کیا ہے ... یہ

انھیں بھی معلوم نہیں۔" کچھ سوچ کر انسپکٹر جمشید نے کہا:
"اگر کوئی ایسی بات ثابت ہوگئی تو پھر ریاست کا نواب کون بنے گا۔"

"فوری طور پر ان کے نائب انشال بنیں گے ... پھر الیکشن ہو گا،اس میں انشال بھی حصہ لے سکتا ہے... باقی امید وار بھی حصہ لیں گے ... جو کامیاب ہوگا ، انشال کی جگہ وہ نواب بن جائیں گے ..."

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں تو بس سازش کرنے والے کا سراغ لگانا ہے ، اس کے بعد ہمارا یہاں کوئی کام نہیں رہ جائے گا۔"

"بالکل یہی بات ہے ..." وہ مسکرائیں ... ان کی مسکراہٹ بھی بہت پر اسرار سی تھی۔

"بس ایک سوال اور ، اگر نواب صاحب کی جگہ آپ کے بھائی نواب بن جاتے ہیں تو آپ کو خوشی ہوگی یا رنج ..."

وہ انھیں گھور کر رہ گئی ... پھر بولیں:

"آپ کیسے سوالات کر رہے ہیں ... میرا خیال ہے ، آپ کو ایسے سوالات نہیں کرنے چاہیں۔"

"اچھی بات ہے ... آپ جا سکتی ہیں ..."

"شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں ...ان کے جانے کے

بعد انھوں نے گھنٹی بجائی ... فوراً ہی احمر اندر داخل ہوا۔

"جی جناب !"

"اسام خان یہاں ہیں اس وقت۔"

"جی ہاں ! وہ زیادہ وقت محل ہی میں گزارتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ... انھیں بلا کر لے آئیں۔"

احمر کمرے سے نکل گیا ... جلد ہی وہ ایک درمیانے قد کے نوجوان کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"تو آپ ہیں اسام خان ... آپ تشریف رکھیے۔"

"میرا ان معاملات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ... مجھے تو آپ نے بلاوجہ ہی بلویا ہے۔"

"تب پھر ... کن کا تعلق ہے، ان معاملات سے۔"

"یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں ،زلال جان کر رہے ہیں ... یعنی نواب صاحب کے بھائی ... آپ کا مطلب ہے ... چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی جگہ لینا چاہتا ہے۔"

"ہاں ،لیکن زلال جان کو اپنے بڑے بھائی کی کسی کمزوری کا علم نہیں...جب تک وہ کسی کمزوری کے بارے میں معلوم نہیں کر لیتے اس وقت تک نواب صاحب کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا..."

”لیکن نواب صاحب کا کہنا ہے کہ ہر انسان میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔“

”بالکل ٹھیک ہے ... اس کا مطلب ہے کہ نواب احتشام میں کوئی کمزوری ہے ضرور ... سوال یہ ہے کہ وہ کیا ہے۔“

”افسوس! یہ بات یہاں کسی کو معلوم نہیں ... معلوم ہوتی تو انھیں نواب کون رہنے دیتا۔“

”ہوں ... آپ ٹھیک کہتے ہیں ... اور آپ کا کہنا یہ ہے کہ کوئی یہ بات معلوم کرنے کے چکر میں ہے ... یعنی نواب صاحب کے خلاف ہے ...“

”اس میں تو خیر شک نہیں ...“

”اور آپ یہ کہتے ہیں ... ایسا شخص نواب صاحب کے بھائی زلال جان ہی ہو سکتے ہیں۔“

”ہاں! میری یہ بات لکھ لیں ... اس سارے چکر کے پیچھے نواب صاحب کے بھائی زلال جان کا ہاتھ ہے ... مجھ پر شک کر کے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔“

”ہم مجبور ہیں۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”کیا فرمایا آپ نے مہربانی فرما کر معاف کریں ... آپ نے یہ

کیوں کہا ... ہم مجبور ہیں۔“

”ہم تمام متعلقہ لوگوں پر شک کرنے کے عادی ہیں ... جب تک ہم اس کیس سے متعلق ہر شخص کو شک کی نظر سے نہیں دیکھ لیں گے، اس وقت تک کام نہیں چلے گا ... لہذا آپ اس بات کو چھوڑیں کہ ہمیں کس پر شک کرنا ہے اور کس پر نہیں۔“

”خیر مجھے کیا ... کرتے رہیں شک۔“ اس نے برا سامنہ بنایا۔

”اگر نواب صاحب ریاست کے نواب نہیں رہے تو آپ بھی تو نواب بن سکتے ہیں ... اس طرح آپ کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“

”مجھے نواب بننے کا کوئی شوق نہیں ... تاہم مجھے بنایا گیا تو بن جاؤں گا۔“ اس نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”اچھی بات ہے ... آپ کا بہت بہت شکریہ ... آپ جا سکتے ہیں۔“

”شکریہ! اس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا... “ انھوں نے ایک بار پھر گھنٹی بجائی ... خادم احمر اندر آیا تو وہ بولے:

”اب نواب صاحب کے چھوٹے بھائی زلال جان کو بلا کر لے آئیں۔“

"جی اچھا ... لیکن ؟" خادم کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں کہیے ... کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اس طرح آپ نواب صاحب کے دشمن کو نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"تو پھر ... آپ بتادیں ،کس طرح پکڑ سکتے ہیں ہم۔"

"آپ اس چھلاوہ لڑکی کو پکڑلیں ... وہ ساری بات بتا دے گی۔"

"آخر اس لڑکی کا ان معاملات سے کیا تعلق ہے۔"

"بہت گہرا ... جس دن سے محل سے کاغذات چرائے جانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے ... اسی روز سے وہ لڑکی نظر آنے لگی ہے ...ورنہ پہلے وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتی تھی ... کسی کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔"

"اب بھی کیا معلوم ہے..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"اتنا تو معلوم ہی ہے کہ... وہ ایک چھلاوہ لڑکی ہے ... جو کسی کے ہاتھ نہیں آتی اور اس نے پولیس کے سپاہیوں تک کو نچا رکھا ہے ... آخر کیوں ... سوال تو یہ ہے۔"

"کیا آپ کے پاس کیوں کا جواب ہے۔" احمر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں ... ہمارے پاس فی الحال کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن ..." ایسے میں خان رحمان بول اٹھے۔

"لیکن کیا ؟" احمر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"لیکن ہم ہر سوال کا جواب حاصل کر لیں گے ... ان شاء اللہ!"

"خیر خیر ... ہم تو خود یہی چاہتے ہیں ..."

"آپ جائیں اور اسام خان کو بلا کر لے آئیں۔"

"جی اچھا !" اس نے برا سامنہ بنایا اور چلا گیا ... جلد ہی وہ ایک درمیانے قد کے گول مٹول سے آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوا ...اس کی آنکھیں سرمئی تھیں ...

"تو آپ ہیں اسام خان ... یعنی بیگم صاحبہ کے بھائی۔"

"ہاں ! امین نے مجھے بتا دیا ہے ... آپ کس چکر میں ہیں ... اس لیے میں پہلے ہی بتائے دیتا ہوں ... اس معاملے کا مجھ سے دور کا بھی واسطہ نہیں..."

"نواب صاحب اگر نواب نہیں رہتے ... اس صورت میں تو فائدہ آپ کو ہی پہنچ سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خشک لہجے میں کہا۔

''وہ کہیں نہیں جا رہے ... جب تک زندہ ہیں، ریاست کے نواب وہی رہیں گے۔''

''لیکن اگر ان کے کردار کی کوئی کمزوری سامنے آگئی تو؟''

''ہاں! اس صورت میں معاملہ ضرور گڑ بڑ ہو جائے گا ... لیکن میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ایسی بات ہے ... خود نواب صاحب اس بات سے فکر مند نظر آتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''ان کا کہنا ہے ... کمزوریاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں ... نواب بننے سے پہلے کی کوئی کمزوری ان میں بھی ہو سکتی ہے۔''

''اس صورت میں انھیں ریاست کے عہدے سے الگ ہو جانا چاہیے۔''

''ان کا کہنا ہے کہ اس وقت ریاست میں اتنا مناسب آدمی نہیں جو نواب بن سکے۔''

''یہ ان کا خیال ہے۔''

''تو کیا آپ میں کوئی کمزوری تلاش نہیں کی جا سکتی۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ... پھر گھبرا کر بولا۔

''نہیں ... مجھ میں ایسی کوئی کمزوری تلاش نہیں کی جا سکتی ...''

''خیر ... یہ اچھی بات ہے ... آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔''

''شکریہ!'' اس نے کہا اور فوراً اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''اب رہ گئے انشال جان ... پتا نہیں وہ محل میں ہوتے ہیں یا کہیں اور خیر... احمر سے پوچھ لیتے ہیں۔''

ایک بار پھر احمر کو بلایا گیا ... اب انھوں نے اس سے پوچھا:

''یہاں موجود تمام لوگوں سے ہم نے سوال کر لیے ... اب رہ گئے انشال صاحب ...''

''وہ یہاں نہیں رہتے ... ان کا گھر یہاں سے کافی دور ہے۔''

''بلانا تو انھیں پڑے گا ... فون کر دیں۔''

''بہت بہتر! میں آپ کے سامنے فون کر دیتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔''

احمر نے انشال کو فون کیا تو اس نے فوراً کہا۔

''انشال جان بات کر رہا ہوں، فرمایئے۔''

''محل میں آپ کی ضرورت ہے ... ایک معاملہ سامنے آیا ہے ... اس معاملے کی روشنی میں آپ کو بلانا پڑ رہا ہے ... امید ہے، محسوس

نہیں کریں گے۔'' احمر نے عجیب سے لہجے میں کہا ... اس کے لہجے نے ان تینوں کو چونکا دیا... پھر دوسری طرف کی بات سن کر اس نے موبائل بند کردیا اور بولا۔

''وہ آتو رہے ہیں ... لیکن انھیں آنا بہت ناگوار گزرا ہے ... وہ اس وقت بہت مصروف تھے۔''

''کوئی بات نہیں ... ہمارے ذمے جو کام لگا ہے ... اسے تو آخر کرنا ہوگا۔''

''جی ہاں! یہ تو ہے... بہرحال وہ آرہے ہیں۔''

''اوراحمر یہاں ایک خیال ابھی آیا ہے ... انسپکٹر جمشید نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا اس خیال کا تعلق مجھ سے ہے۔''

''نہیں ...'' انھوں نے انکار میں سر ہلایا۔

''تو پھر مجھے کیوں گھور رہے ہیں۔''

''بس یونہی ... عادت جو ٹھہری ... ہم ریاست کے قانون کا مسودہ دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''اس کی کاپی آپ کے لیے ابھی منگوا لیتا ہوں... قانون کا مسودہ یہاں سب دیکھ سکتے ہیں ... بازار سے عام مل جاتا ہے۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے ... آپ ہمارے لیے ایک کاپی منگوا لیں۔''

''جی اچھا۔'' اس نے کہا اور فون پر ہدایات دینے لگا۔

جلد ہی وہاں انشال داخل ہوا ... وہ لمبے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی تھا ... گول چہرہ تھا اور آنکھیں سیاہ ... اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

''آپ کو تو معلوم ہی ہے ... نواب صاحب ان دنوں بہت پریشان ہیں۔''

''وہ تو خیر میں جانتا ہوں تو پھر؟'' اس نے منہ بنایا۔

''ہم یہ جاننے کی کوشش میں ہیں کہ نواب صاحب کے خلاف کون یہ کارروائی کر رہا ہے۔''

''تو کیا آپ کے خیال میں یہ کاروائیاں میں کر رہا ہوں۔'' اس نے بھنا کر کہا۔

''آپ بھی ہو سکتے ہیں، یہ تو ہمیں معلوم کرنا ہے ... ہم سبھی کو چیک کر رہے ہیں ...نواب صاحب کو اگر نوابی سے ہٹنا پڑا تو آپ بھی ان کی جگہ نواب بن سکتے ہیں۔''

''اگر میں کامیاب ہوا تو یہ میرا حق ہوگا... ناکام ہوا تو اس کا

حق ہوگا جو جیتے گا ... لیکن نواب صاحب کہیں نہیں جا رہے ... ان کے خلاف جو کوئی بھی سازش کر رہا ہے، وہ بے وقوف ہے۔'' انشال نے یہ کہتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

''وہ کیسے؟''

''نواب صاحب پکے اور سچے کردار کے مالک ہیں ... لہذا جب تک زندہ ہیں، وہی نواب رہیں گے۔''

''لیکن ... اگر نواب صاحب کے کردار میں کوئی خرابی نکل آتی ہے تو؟''

''اس صورت میں وہ نواب نہیں رہیں گے۔''

''تب پھر ان کا دشمن اس کمزوری کا کھوج لگانے کی فکر میں ہے۔''

''اوہ ہاں ... اس صورت میں نواب صاحب کو الگ ہونا پڑے گا...'' انشال نے چونک کر کہا۔

''تو کیا آپ کو پتا ہے ... ان کے کردار میں کیا کمی ہے۔''

''ہاں مجھے معلوم ہے۔''

''کیا !!!'' وہ چلا اٹھے۔

☆☆☆☆☆

کانٹا

لڑکی کافی فاصلے پر دوڑتی نظر آئی ... اب وہ تینوں بے تحاشہ اس کی طرف دوڑ رہے تھے۔

''آج آئے گا مزہ۔'' فاروق نے دوڑتے دوڑتے کہا۔

''کسے ... ہمیں یا اس لڑکی کو۔'' فرزانہ نے پوچھا۔

''پپ ... پتا نہیں۔'' اس نے منہ بنایا۔

''عجیب گھن چکر ہو ... خود ہی کہہ رہی ہو ... اب آئے گا مزہ ... اور خود ہی کہہ رہی ہو، پتا نہیں کسے آئے گا مزہ۔''

''بھئی سیدھی سی بات ہے ... لڑکی نکل جانے میں کامیاب ہوگئی تو اسے مزہ آئے گا ... ہم نے اسے جا لیا تو ہمیں آجائے گا ... لہذا وقت سے پہلے کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''اچھا بابا ... اب تم سے کون مغز مارے۔''

''ارے ارے ... وہ موڑ مڑ گئی۔'' محمود چلایا۔

''چلو اچھا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''کیا اچھا ہے۔''

''یہ کہ وہ موڑ مڑ گئی۔''

''حد ہوگئی ... لڑکی نکلی جارہی ہے اور انھیں مذاق کی سوجھ رہی ہے۔''

اگر ہمارے سنجیدہ ہونے سے لڑکی ہاتھ آسکتی ہے تو یہ لو ... میں ہوگیا سنجیدہ ... اب پکڑ لو اسے۔''

''اب تم سے کون مغز مارے۔''

محمود نے جل کر کہا اور رفتار اور تیز کرنے لگا ... کیونکہ موڑ مڑنے کے بعد لڑکی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

آخر تینوں بے تحاشہ دوڑتے ہوئے اس موڑ تک پہنچ گئے ... موڑ مڑنے پر بھی انھیں لڑکی نظر نہ آسکی ... اور آتی بھی کیسے آگے تو جھیل تھی۔

''یہ کیا ... کیا وہ پانی میں اتر گئی ... اس کا مطلب ہے، وہ تیراک بھی ہے۔'' فرزانہ بولی۔

''اتفاق سے ہم بھی تیرنا جانتے ہیں۔'' محمود نے پر جوش لہجے میں کہا اور پانی میں کود گیا اس کے پیچھے ہی دونوں بھی پانی میں چھلانگیں

لگا چکے تھے ... اب وہ بلا کی رفتار سے تیر رہے تھے۔

جھیل کے ایک کنارے پر ان کا مہمان خانہ تھا اور دوسرے سرے پر نواب صاحب کا محل تھا ... گویا جھیل ان دونوں کے درمیان میں تھی ... دائیں طرف اس عورت کا مکان تھا جو اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی تھی ... ان دونوں شان دار عمارتوں کے درمیان وہ مکان اپنی عزت ظاہر کر رہا تھا ... انھوں نے پوری جھیل کا چکر لگا ڈالا ... لیکن لڑکی کا کہیں نام ونشان تک نظر نہ آیا ... آخر تھک ہار کر وہ جھیل سے باہر نکل آئے ... کپڑے گیلے ہونے کی وجہ سے انھیں سردی کا احساس ہوا ... انھوں نے فوراً مہمان خانے کا رخ کیا ... کپڑے بدل کر وہ پھر باہر آگئے اور اس جگہ پہنچے جہاں سے انھوں نے جھیل پر چھلانگیں لگائی تھیں۔

''پانی کے اندر تو کہیں چھپنے کی جگہ ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے... اس کا مطلب ہے ... وہ کہیں اور دبک گئی ہوگی ... تاکہ ہم سے جان چھڑا سکے ... ارے ہاں ... ہم نے اس عورت اور لڑکی کے گھر کو چیک نہیں کیا... یہ بھی تو ہو سکتا ہے ... وہ اس گھر میں جا چھپی ہو۔'' فرزانہ نے جلدی جلدی سے کہا۔

''تو پھر آؤ، دیکھ لیتے ہیں۔''

تینوں نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی ... فوراً ہی دروازہ کھلا... اور اسے لڑکی کی صورت دکھائی دی۔

''اوہ ... آپ؟'' اس کے منہ سے نکلا۔

''کیا ہم اندر آسکتے ہیں۔''

''ضرور... کیوں نہیں۔'' اس نے کہا، پھر چونک کر بولی۔

''آپ ... آپ تو وہی ہیں...''

''جی ہاں! میں وہی ہوں اور یہ میرے بھائی اور بہن ہیں۔''

''آیئے... ماں جی... مہمان آئے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''جم جم آئیں... مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں بیٹی۔''

''جی بالکل۔''

اور پھر لڑکی کی ماں نے انھیں چارپائی پر بٹھایا... لڑکی دوسرے کمرے میں چلی گئی ...بوڑھی ان تینوں کو بار بار دیکھنے لگی، آخر ان سے رہا نہ گیا:

''آپ اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں۔''

''میں دیکھ رہی ہوں ... نواب صاحب کے مہمان کیسے لوگ ہیں؟''

''پھر کیا دیکھا۔''

''تینوں بھلے مانس ہو... تم سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''آپ کو اس چھلاوہ لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔''

''کیا مطلب ... چھلاوہ لڑکی ... میں سمجھی نہیں۔''

''ایک لڑکی ہے ... جس نے ریاست کے سپاہیوں اور لوگوں کو تنگ کر رکھا ہے ... اچانک نمودار ہوتی ہے اور چھینا جھپٹی کر کے بھاگ نکلتی ہے... کسی کے ہاتھ نہیں آتی۔''

''مجھے تو ایسی کسی لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔'' بڑھیا بولی۔

اسی وقت لڑکی ایک چھوٹی سی ٹرے میں تین کپ چائے رکھے اندر سے باہر نکلی۔

''آپ کو کچھ معلوم ہے؟''

''اس لڑکی کے بارے میں!'' اس نے پوچھا۔

''ہاں!''

''اس کے بارے میں سنا ہے... اسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''دیکھ تو خیر ہم چکے ہیں۔''

''اوہو اچھا۔'' لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ کا نام کیا ہے۔''

"میں ... میں راکیہ ہوں۔" اس نے بتایا۔

"اگر آپ دونوں پسند کریں تو ہم آپ کو اپنے ملک میں لے جاسکتے ہیں ... وہاں آپ دونوں کی رہائش اور کھانے پینے کا معقول انتظام کر دیں گے۔"

"جی نہیں! ہم یہیں خوش ہیں۔" لڑکی نے برا سا منہ بنایا۔

اور پھر وہ چائے پینے لگے ... چائے کافی مزے دار تھی ... اس کا مطلب تھا، لڑکی سمجھ دار ہے۔

"تو آپ یقین سے کہہ سکتی ہیں، وہ چھلاوہ لڑکی ادھر نہیں آئی۔"

"بالکل نہیں ... ہمارا چھوٹا سا تو گھر ہے ... کوئی ہماری نظروں میں آئے بغیر کہاں چھپ سکتا ہے بھلا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں ... ہم نے آپ کو زحمت دی ... آؤ چلیں۔" محمود نے کہا اور تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ گھر سے نکلنے لگے تھے کہ اچانک فرزانہ کے منہ سے مارے حیرت کے ارے نکل گیا ... محمود اور فاروق نے فوراً اس کی طرف دیکھا ... اس کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی ... اور نظریں فرش پر پڑی ایک چیز پر جمی تھیں ... اور وہ چیز تھی ... کان میں پہننے والا ایک کانٹا ... ادھر راکیہ نے بھی کانٹے کو دیکھ لیا۔

"کیا یہ کانٹا آپ کا ہے۔" فرزانہ نے اس کے کانوں کی طرف دیکھ کر کہا ... کانوں میں کوئی کانٹے وغیرہ نہیں تھے۔

"نہیں! یہ میرا کانٹا نہیں ہے۔" اس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تب پھر یہ کانٹا یہاں کیسے آیا ... کیا یہ آپ کی والدہ کا ہے۔"

"نہیں ... میری والدہ کے دونوں کانوں میں کانٹے موجود ہیں۔" اس نے کہا ... تینوں نے بوڑھی عورت کے کانوں کی طرف دیکھا ... وہاں واقعی دو کانٹے موجود تھے ... فرزانہ کافی دیر تک ان دونوں کانٹوں کو دیکھتی رہی ... ساتھ ہی وہ فرش پر پڑے کانٹے کو بھی دیکھ رہی تھی ...

"آپ کی والدہ کے دونوں کانوں میں کانٹے موجود ہیں ... جب کہ آپ کے دونوں کانوں میں کوئی کانٹا نہیں ہے۔"

"میں کانٹے نہیں پہنتی ... مجھے اچھے نہیں لگتے۔"

"اور فرش پر پڑا یہ کانٹا۔"

"میں نے ابھی دیکھا ہے۔"

"تب پھر اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی ہم سے بچنے کے لیے یہاں آئی تھی ... اور جب ہم جھیل سے نکل کر مہمان خانے میں چلے گئے، تب وہ یہاں سے چلی گئی۔"

''لیکن میں نے اسے یہاں نہیں دیکھا ... اور نہ میری والدہ نے دیکھا ... کیوں ماں جی ۔''

''ہاں ! یہی بات ہے ... وہ لڑکی ہمارے گھر میں نہیں آئی ۔''

''یہ تو پھر عجیب بات ہوگئی ... یہ کانٹا پھر یہاں کیوں موجود ہے ۔''

''یہ واقعی بہت عجیب بات ہے ... اگر وہ لڑکی یہاں آتی تو ہم دونوں کو پتا چل جاتا... کیونکہ ہمارا گھر اتنا بڑا نہیں ہے ۔''

''ہاں ! یہ تو بات درست ہے ... اچھا خیر ۔'' یہ کہہ کر فرزانہ نے وہ کانٹا اٹھا لیا ... اس نے دیکھا ... وہ کوئی عام کانٹا نہیں تھا ... خاص قسم کا تھا... ایسے کانٹے انھوں نے نہ تو کسی عورت کے کان میں دیکھے تھے ...نہ سناروں کی دکان پر نظر آئے تھے ۔

''یہ ... یہ کانٹا عجیب ہے ... سونے کا تو خیر یہ ہے نہیں ... نہ چاندی کا ہے ... نہ پیتل کا ہے ... تو پھر ... آخر یہ کس دھات کا ہے۔''

''پپ ... پتا نہیں ۔'' مارے حیرت کے لڑکی کے منہ سے نکلا ۔

''یہ ہم لے جا رہے ہیں ... اگر کسی نے یہ کہا کہ یہ کانٹا اس کا ہے تو ہم اسے دے دیں گے ... آپ دونوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ۔''

''جی ... جی نہیں ۔''

''اور اب ہمیں ایک کان کی تلاش ہے ۔'' محمود بولا۔

''کیا کہا ... کان کی تلاش۔'' فاروق زور سے چونکا۔

''ہاں ! کان کی تلاش ... جس میں اس کے ساتھ کا دوسرا کانٹا ہو۔''

''پتا نہیں کیا معاملہ ہے اور آپ کیا سوچ رہے ہیں۔'' راکیہ بولی۔

''ہم بہت جلد آپ کو بتائیں گے ... آؤ بھئی چلیں ۔''

یہ کہتے ہوئے فرزانہ نے کانٹا جیب میں ڈال لیا ... پھر تینوں باہر نکل آئے ... انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔

''کیا خیال ہے ۔'' محمود بولا۔

''گھر چل کر خیال ظاہر کریں گے ... آؤ ۔''

تینوں مہمان خانے میں داخل ہوئے ... لیکن پھر فوراً ہی چونک گئے ... انھیں یوں محسوس ہوا جیسے اندر کوئی ہے ... انھوں نے حیرت زدہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... پھر محمود نے لپک کر دروازہ اندر سے بند کر دیا...

مہمان خانہ زیادہ بڑا نہیں تھا ... اس میں چار کمرے تھے ...دو کمرے ایک طرف اور دو ایک طرف ... درمیان میں کافی کشادہ برآمدہ تھا ... چاروں طرف لان تھا ... اس میں درخت بھی تھے اور پھولوں کے

پودے بھی... گویا صدر دروازے سے اندر داخل ہونے پر دونوں طرف لان نظر آتا تھا اور سامنے برآمدہ ، برآمدے کے دونوں طرف دو کمرے ... اور برآمدے کے دوسری طرف پھر لان ... اندرونی دروازے کے ساتھ ہی زینہ اوپر جارہا تھا ... وہ مہمان خانے کی چھت پر لے جاتا تھا... چھت کے گرد ایک خوب صورت گرل تھی ... اس کے ساتھ لگ کر جھیل کا نظارہ بہت بھلا لگتا تھا ... اس طرح یہ ایک پر فضا جگہ تھی ... مہمان خانے کے بالکل سامنے نواب صاحب کا محل تھا ... اور ان دونوں کے بائیں ہاتھ اس بوڑھی عورت کا مکان تھا ... ان تینوں اور جھیل سے کافی فاصلے پر رعایا کے مکانات بازار اور دوسری عمارات تھیں ...یوں یہ زیادہ بڑا شہر نہیں تھا ... اور اسی شہر کو ریاست کہا جاتا تھا ... ریاست کی آبادی کے چاروں طرف میدانی علاقہ تھا ... دور دور تک فصلیں لہلہاتی نظر آتی تھیں ... فصلوں کے بعد پھر آبادی نظر آتی تھی اور یہ سلسلہ دور تک چلا گیا تھا ... یہ ریاست کا دارالخلافہ تھا ... ریاست کے اور بھی کئی شہر تھے اور ان تمام شہروں کو ملا کر یہ مکمل ریاست بنتی تھی ۔

انھوں نے پہلے تو خاموشی سے ادھر ادھر دیکھا ... پھر باری باری چاروں کمروں کو دیکھا ، اس کے بعد اوپر چھت پر آئے ... پھر لان کا چکر لگایا... کہیں کوئی نظر نہ آیا ...

''شاید اس ریاست میں آکر ہم وہمی ہو گئے ہیں ... یہاں کوئی نہیں ہے ۔''

''اور ابا جان اور انکل ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے ۔''

''انھیں نواب صاحب نے روک لیا ہوگا ... پرانے دوست ہیں... گپ شپ میں لگ گئے ہوں گے ۔''

عین اس وقت ان کا خادم آتا دکھائی دیا ... یہ مہمان خانے کا خادم تھا... اس نے آتے ہی سلام کیا ، پھر بولا ۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادیں ۔''

''پہلے تو یہ بتائیں ... آپ کا نام کیا ہے ۔''

''جی میرا نام شبان ہے ۔''

''ہماری آمد سے پہلے آپ کہاں تھے ۔''

''مہمان خانے کے پیچھے میرا کمرہ ہے،اس میں تھا ... آپ کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو پوچھنے چلا آیا ۔''

''اس طرف کسی کو آتے تو نہیں دیکھا۔''

''آپ لوگوں کو آتے دیکھا ہے ۔''وہ مسکرایا ۔

''میرا مطلب ہے ... ہمارے علاوہ ۔''

''جی ... جی نہیں ... اس طرف کوئی نہیں آیا ۔''

''اچھی بات ہے ... پہلے ہم ذرا اپنے ساتھیوں سے پوچھ لیں ۔''

محمود نے اپنے والد کا نمبر ملایا ... نمبر بند تھا ... اب اس نے پروفیسر داؤد اور خان رحمان کے نمبر ملائے ، وہ بھی بند تھے ... آخر خادم سے بولا ۔

''ہمارے بڑوں کے نمبر اس وقت بند ہیں ... اس لیے ۔''

عین اس لمحے جھیل میں ایک چھپاکے کی آواز آئی ... انھیں یوں لگا جیسے کوئی جھیل میں کودا ہو ۔

انھوں نے فوری طور پر باہر کی طرف دوڑ لگا دی ۔

☆☆☆☆☆

نیا حکم

ان کی نظریں انشال کے چہرے پر جم گئیں ... اس کے چہرے پر اس وقت عجیب سے تاثرات تھے ... ان تاثرات کو جوش کے تاثرات بھی کہا جا سکتا تھا اور خوشی کے بھی ۔

''اگر آپ کو نواب صاحب کی کسی کمزوری کا پتا ہے تو پھر آپ یہ بات ذمے دار لوگوں کے سامنے کیوں نہیں لاتے ، آپ نے یہ مطالبہ کیوں نہیں کیا کہ اس کمزوری کی موجودگی میں وہ نواب نہیں رہ سکتے ...''

''میں ایسا کر سکتا تھا ... لیکن میں نے ایسا کیا نہیں ۔'' وہ مسکرایا ۔

''یہی تو ہم جاننا چاہتے ہیں ... آخر کیوں ... یہ بات تو پھر آپ کے حق میں جاتی ہے ... آپ نواب بن سکتے ہیں ۔''

''ایسا ہو بھی سکتا ہے ... اور نہیں بھی ہو سکتا ... کیونکہ ۔'' وہ کہتے

کہتے رک گیا۔

''ہاں کیسے ...''

''میں براہِ راست نواب نہیں بن جاؤں گا ... نواب صاحب اگر نواب نہیں رہتے تو جو لوگ خود کو نواب بننے کا اہل سمجھتے ہیں ... ان کے درمیان الیکشن ہوگا ... اس الیکشن کا نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے ... اب تو میں نائب نواب ہوں ...اور کوئی اور نواب بن گیا تو وہ اپنا نائب ظاہر ہے ، کسی اور کو بنائیں گے... اس لیے میں وہ کمزوری کسی کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔''

''کیا ایسا کرنا ریاست سے غداری نہیں ؟''انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

''نہیں !''

''وہ کیسے ؟''

''سچ یہ ہے کہ اس وقت ریاست میں نواب صاحب ہی سب سے بہتر آدمی ہیں ... ان کے مقابلے میں جو لوگ نواب بننا چاہتے ہیں، وہ ان سے اچھے نہیں ہیں ... اس لیے کم از کم میں ریاست کی بھلائی کی وجہ سے خاموش رہنا پسند کرتا ہوں۔''

''اگر بات واقعی یہی ہے ... تو آپ پھر بہت اچھے انسان ہیں

اور ہم آپ کے خیالات کی قدر کرتے ہیں ... لہذا آپ جا سکتے ہیں ... آپ کا شکریہ ... ضرورت پڑی تو پھر آپ سے بات کریں گے۔''

یہ کہہ کر انشال اٹھا اور کمرے سے نکل گیا ... انسپکٹر جمشید نے ان دونوں کی طرف دیکھا ...

''کیا خیال ہے آپ دونوں کا۔''

''کچھ کہا نہیں جا سکتا ... کم از کم میں نے تو کوئی اندازہ نہیں لگایا جمشید''خان رحمان نے منہ بنایا۔

''اور نہ میں ... ویسے تم نے کیا رائے قائم کی ہے اس بارے میں۔''

''سچی بات یہی ہے ... ابھی تک میں خود کوئی رائے قائم نہیں کر سکا... مجھے تو اس ریاست کے سبھی عہدے دار عجیب و غریب لگ رہے ہیں ... ارے ہاں ... ایک بات تو رہ ہی گئی۔''انسپکٹر جمشید نے اچانک چونک کر کہا۔

''اور وہ کیا ؟''

''نواب صاحب کی کمزوری سے یہ صاحب ضرور واقف ہیں ، لیکن خود اپنی کمزوری کی وجہ سے ان کی کمزوری کی بات کسی سے نہیں کر پاتے ... اگر خود ان کا کردار بے داغ ہوتا تو یہ ضرور نواب بننے کی

کوشش میں نواب صاحب کا راز ظاہر کر دیتے۔"

"تب پھر نواب صاحب کے خلاف کوشش کرنے والے یہ تو ہو نہیں ہو سکتے۔" پروفیسر بولے۔

"ہو تو خیر سکتے ہیں، لیکن یہ الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتے کہ نواب صاحب ان کی وجہ سے اپنی ریاست سے الگ ہوئے ہیں۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا... جلد ہی احمر اندر داخل ہوا... احمر کی طرف دیکھتے ہوئے نہ جانے کیوں انسپکٹر جمشید چونک اٹھے... وہ چند لمحے تک احمر کی طرف دیکھتے رہے، پھر بولے:

"کیا آپ باہر ہماری بات چیت سنتے رہے ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"اگر میں یہ بات ثابت کر دوں۔"

'جی کیا مطلب... آپ یہ بات ثات کر سکتے ہیں کہ میں چھپ کر آپ کی باتیں سن رہا تھا۔"

"ہاں بھئی! بالکل ثابت کر سکتے ہیں... آپ کے چہرے پر یہ بات لکھی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نن نہیں... جھوٹ۔"

"ہم چہروں پر لکھی تحریریں پڑھ لیتے ہیں۔"

"آپ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن سچ یہی ہے کہ میں چھپ کر آپ کی باتیں نہیں سنتا رہا ہوں۔"

"تو کیا آپ اپنے کمرے میں بیٹھ کر یہاں ہونے والی بات چیت نہیں سنتے رہے؟"

انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

"بالکل نہیں!" اس نے پرزور انداز میں سر جھٹک کر کہا۔

"اچھی بات ہے... چلیے ہم آپ کے کمرے میں چلتے ہیں۔"

"اور وہاں جا کر کیا کریں گے آپ؟" احمر نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"اپنی بات ثابت کریں گے۔"

"آیئے!" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ نے یہ آیئے برا سا منہ بنا کر کہا ہے... اگر ہم یہ بات نواب صاحب کو بتا دیں؟" انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"اوہ نہیں... میرا منہ غیر ارادی طور پر بن گیا تھا... میں معافی چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں آپ ان سے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"اچھی بات ہے... لیکن آپ کا کمرہ تو ہم دیکھیں گے۔"

”آپ وہاں جا کر بھی یہ بات ثابت نہیں کر سکیں گے کہ میں آپ کی باتیں سنتا رہا ہوں۔“

”ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ... چلیے۔“

وہ وہاں سے نکل کر محل کی پشت پر آگئے ... احمر کا کمرہ صاف ستھرا تھا... ہر چیز سلیقے سے رکھی تھی ... دیوار پر دو سینریاں بھی لگی تھیں... کمرے کو دیکھ کر انھوں نے اندازہ لگایا کہ وہ با ذوق اور پڑھا لکھا آدمی ہے ... اب انھوں نے اپنا کام شروع کیا ...

پورے کمرے کو غور سے دیکھا بھالا... لیکن کوئی خاص چیز نظر نہ آئی... اب انسپکٹر جمشید پروفیسر داؤد کی طرف مڑے۔

”آپ بھی ذرا اپنے طور پر جائزہ لے لیں۔“

”اچھی بات ہے جمشید۔“

”کچھ بھی نہیں ثابت کر سکیں گے آپ۔“ احمر نے طنزیہ کہا۔

”کوئی پروا نہیں۔“ انھوں نے کندھے اچکائے۔

پروفیسر داؤد نے جیب سے ایک بال پوائنٹ نما آلہ نکالا اور اس کا بٹن دبا کر ادھر ادھر مختلف چیزوں سے چھوتے رہے ... یہ سب دیکھ کر احمر کے چہرے پر اور زیادہ حیرت کے بادل نظر آئے ...

”آخر آپ لوگ کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”ہم اپنے طریقے کے مطابق یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں ... کہ آپ یہاں بیٹھ کر مہمان خانے میں ہونے والی بات چیت سنتے رہے ہیں یا نہیں۔“

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔“

”آلات کے ذریعے۔“ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

”تو کیا آپ کو اس کمرے میں آلات نظر آئے ہیں؟“

”آئے تو نہیں ... آسکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

”جب نظر آجائیں تو مجھے بھی دکھا دیجیے گا۔“

”اسی لیے تو آئے ہیں یہاں۔“

”یہ رہے وہ آلات۔“ اسی وقت پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

وہ سب چونک کر ان کی طرف آئے ... وہ دیوار پر لگے ایک فریم کے پاس کھڑے تھے اور دائیں ہاتھ کی انگلی سے فریم کی سینری کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

”یہ ... یہ تو جھیل کی تصویر ہے ... احمر نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔“

”لیکن اس فریم میں چند ننھے منے سے جواہرات نظر آرہے ہیں ... یعنی فریم کی خوب صورتی میں اضافہ کرنے کے لیے لگائے گئے محسوس

ہو رہے ہیں ... لیکن دراصل یہ چھوٹے چھوٹے بٹن ہیں ۔''

''نن ... نہیں ۔'' خان رحمان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا... ادھر احمر کا چہرہ سفید ہو گیا ...

''اور جب ہم ان میں سے ایک بٹن کو دبائیں گے تو محل میں ہونے والی بات چیت اس بٹن کے ساتھ فریم میں موجود آلے کے ذریعے سنی جا سکے گی، یقین نہیں تو تجربہ کرا دیتے ہیں ... خان رحمان تم ذرا محل میں اسی جگہ چلے جاؤ... جہاں ہم ابھی بیٹھے تھے۔''

''اچھی بات ہے ۔'' انھوں نے کہا اور باہر نکل گئے ... ایک منٹ بعد انسپکٹر جمشید نے کہا:

''کیا تم وہاں پہنچ گئے خان رحمان ۔'' یہ الفاظ انھوں نے فریم کے پاس منہ کر کے ادا کیے ۔

''ہاں جمشید! یہاں تمھاری آواز بالکل صاف سنائی دے رہی ہے۔'' وہ بولے۔

''اور خان رحمان تمھاری آواز ہم یہاں صاف سن رہے ہیں، لہٰذا ہماری بات ثابت ہو گئی ... تم یہاں آسکتے ہو ۔'' یہ کہتے ہوئے انھوں نے بٹن آف کر دیا۔

''جلد ہی خان رحمان اندر آگئے ... ادھر ان کی نظریں احمر پر جمی

تھیں... اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا ۔''

''اب احمر صاحب! آپ کیا کہتے ہیں ... جب ہم یہ بات نواب صاحب کو بتائیں گے تو وہ آپ کو کیا سزا دیں گے ... کیا آپ یہ بات سمجھتے ہیں۔''

''ہاں! اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''بھلا وہ کیا سزا دیں گے ۔''

''موت کی سزا ۔'' اس کے منہ سے مردہ آواز میں نکلا ۔

''تو پھر اس سے پہلے کہ ہم نواب صاحب کو آپ کے بارے میں بتائیں ... آپ ہمیں بتا دیں ... یہ سب کیا ہے ... یہ جدید سائنسی نظام آپ نے یہاں کیسے نصب کر لیا اور ایسا کرنے کی آپ کو ضرورت کیا تھی ۔''

''آپ یہ بات نواب صاحب کو بتا دیں ... میں آپ کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں ۔'' اس نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا ۔

''کیا مطلب ... کیا آپ نے یہ بات سوچ سمجھ کر کی ہے ۔''

''ہاں!''

''اور آپ جانتے ہیں ... اس جرم کی آپ کو کم از کم سزا موت ملے گی۔''

''ہاں !'' اس کے منہ سے ایسے لہجے میں نکلا جیسے وہ کسی کنویں سے بول رہا ہو۔''

''کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ آپ ہمیں بتا دیں ... ہم آپ کو موت کی سزا سے بچانے کی کوشش کریں گے۔''

''لیکن میں بچنا نہیں چاہتا ... میں چاہتا ہوں ... نواب صاحب میری موت کا اعلان کردیں۔''

''نن ... نہیں ...'' انسپکٹر جمشید نے بوکھلا کر کہا۔

''کیا مطلب جمشید ... تمھیں کیا ہوا۔''

''احمر کو یقین ہے کہ نواب صاحب انھیں موت کی سزا نہیں دیں گے ... بلکہ کوئی سزا ہی نہیں دیں گے۔''

''کیا مطلب !'' خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔'' ان کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت نظر آئی۔

''اس ... اس کا مطلب ... یہ سارا نظام نواب صاحب کا اپنا ہے۔''

احمر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی ... اس کی یہ مسکراہٹ طنزیہ تھی۔

''آخر یہ چکر کیا ہے۔'' مارے خوف کے پروفیسر داؤد کے منہ

سے نکلا۔

''آپ نواب صاحب سے پوچھ لیں۔''

''مطلب یہ کہ ہم انھیں ساری بات بتادیں اور پھر ان سے پوچھیں کہ یہ کیا چکر ہے۔''

''ہاں ! یہی بات ہے۔''

''اچھی بات ہے احمر صاحب ... ہم اب نواب صاحب سے ہی پوچھیں گے ... کیونکہ ہماری حیرت اب ہر لمحے بڑھ رہی ہے اور ہم جلد از جلد اس چکر کو سمجھ لینا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ... آپ محل میں تشریف لے جائیں ... اس نے بے فکری کے عالم میں کہا ... پہلے وہ خوف زدہ نظر آرہا تھا ... لیکن اب بالکل بے فکر نظر آرہا تھا ... اور یہی بات ان کے لیے حیرت کی تھی۔

اب وہ محل میں آئے ... احمر ان کے ساتھ نہیں آیا تھا ... اب وہ کس سے کہتے کہ نواب صاحب کو بھیج دیں ... چنانچہ اس کمرے میں نصب آلے کے ذریعے انھوں نے احمر کو مخاطب کیا:

''جناب !'' ادھر سے آواز آئی۔

''ہم نواب صاحب سے بات کرنا چاہتے ہیں ... انھیں بتائیں۔''

''اچھی بات ہے۔''

دومنٹ بعد نواب صاحب اندر داخل ہوئے ... ان کے چہرے پر
گہرا اطمینان تھا ... جب کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ
احمر انھیں آوازوں کے بارے میں بتا چکا ہے۔

''آپ کو احمر نے بتادیا کہ ہم یہ بات جان چکے ہیں کہ اس
کمرے میں ہونے والی گفتگو احمر کے کمرے میں بخوبی سنی جاتی ہے۔''

''ہاں! اس نے مجھے بتایا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے ... یہ سارا نظام آپ کا اپنا ہے۔''

''بالکل یہی بات ہے ...'' وہ بولے۔

''آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔''

''دوسرے ملکوں کے سربراہوں سے بات چیت کرتے وقت ایسے
انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔'' انھوں نے منہ بنایا ... اور اس کا صاف
مطلب تھا... انھیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ یہ نظام ان کے علم
میں آگیا تھا۔

''تب پھر احمر کیوں خوف زدہ تھا۔'' انسپکٹر جمشید نے انھیں گھورا۔

''وہ خوف زدہ نہیں ہوگا ... یونہی اداکاری کر رہا ہوگا۔''

''خیر ... کیا بات بس اتنی ہی ہے ... یہ انتظام آپ نے اس
لیے کیا ہے کہ یہاں ہونے والی بات چیت احمر کے کمرے میں بھی سنی

جاسکے۔''

''ہاں اس کے بہت فائدے ہیں ... غیر ملکی سربراہوں سے
ہونے والی بات چیت کو ریکارڈ کرنا ہوتا...''

''بات سمجھ میں آگئی ... محل اور مہمان خانے کے درمیان میں جو
ایک غریب عورت کا مکان ہے ... اس میں وہ اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی
ہے ... آخر کیوں ...'' انسپکٹر جمشید نے آخر کیوں پر زور دیا۔

''یہ ان کا آبائی مکان ہے ... جب ہم نے اس جگہ محل بنانا چاہا تو
وہ عورت اڑ گئی ... کہ وہ اس مکان کو ہرگز فروخت نہیں کرے گی ...
لہذا میں نے بھی زبردستی خالی نہیں کرایا اور محل کو اس جگہ تک رکھا ...
جہاں تک وہ اس وقت بنا ہوا ہے۔''

''خیر ... یہ بات تو سمجھ میں آگئی ... اس چھلاوہ لڑکی کے بارے
میں آپ کیا کہتے ہیں۔''

''اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم، وہ کون ہے ...
اچانک کہاں سے نمودار ہو جاتی ہے ... اور وہ یہ حرکتیں کیوں کر رہی
ہے''

''ہوں ... خیر ہم معلوم کرلیں گے ...'' یہ بات طے ہے کہ کوئی
نہ کوئی آپ کو ریاست سے ہٹانا چاہتا ہے۔''

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اچھا ہاں! ریاست کا قانون تحریری شکل میں مل سکتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" نواب احتشام نے حیران ہو کر کہا... اس لمحے ان کی آنکھوں میں خوف بھی نظر آیا تھا... اس پر وہ تینوں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"میں نے تو ایک عام سی بات کہی ہے... ہر ملک کا ایک قانون ہوتا ہے اور وہ باقاعدہ تحریری شکل میں ہوتا ہے... ظاہر ہے، ریاست کا بھی ہوگا۔"

"جی ہاں! قانون تحریری صورت میں موجود ہے۔"

"تب پھر ہمیں اس کی ایک کاپی منگوا دیں۔"

پورے ایک منٹ تک نواب صاحب کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی... اور پھر ان کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔"

"آپ حضرات اپنے ملک واپس چلے جائیں۔"

عین اس وقت انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

☆☆☆☆☆

سرخی

انھوں نے باہر نکلتے ہی جھیل کے کنارے کا رخ کیا اور پھر وہاں پہنچ کر جھیل کی سطح کا بغور جائزہ لیا... کوئی تیرتا ہوا نظر نہ آیا۔

"حیرت ہے... کمال ہے... میں نے چھپاکے کی آواز صاف سنی تھی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہم دونوں نے بھی سنی تھی..." فاروق نے جھلا کر کہا۔

"تو اس میں کاٹ کھانے کو دوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ اس پر الٹ پڑی۔

"اس سے پہلے کہ تم دونوں لڑ پڑو... یہ سن لو، میں جھیل کے عین درمیان میں ہل جل سی محسوس کر رہا ہوں... اور میں رک نہیں سکتا... یہ لو میں تو چلا... تم لڑتے رہو۔"

یہ کہتے ہی محمود نے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔

"ارے ارے... ایسی بھی کیا جلدی ہے۔" فاروق چلا اٹھا...

لیکن محمود تو اس وقت تک چھلانگ لگا چکا تھا اور جھیل کے درمیان میں
پہنچنے کی کوشش میں تھا۔

''اب ہم کیا کریں۔'' فرزانہ نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

''تم سوچتی رہو ... میں محمود کے طعنے نہیں سن سکوں گا ... لہٰذا
میں بھی چلا۔'' اس نے کہا اور جھیل میں کود پڑا ... اب وہ اس کوشش
میں تھا کہ کسی طرح محمود تک پہنچ جائے۔

ایسے میں اچانک محمود نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''ارے ارے ... یہ محمود کہاں چلا گیا۔'' فاروق نے مارے خوف
کے کہا۔

''فاروق خبردار... واپس آجاؤ۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا ہے ... محمود پانی میں غائب ہو گیا ہے اور
تم کہہ رہی ہو، واپس آجاؤ۔'' محمود کے بغیر کیسے واپس آجاؤں۔''

''اس طرح تو پھر تم بھی غائب ہو جاؤ گے۔''

''اللہ مالک ہے۔'' اس نے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا ... پھر
اچانک وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''دھت تیرے کی ... میں نے کہا بھی تھا ... لیکن یہاں سنتا کون
ہے...'' اس نے گھور کر اپنے آپ سے کہا اور پھر فوراً اپنے والد کے

نمبر ملائے... دوسری طرف سے فوراً ہی کہا گیا۔

''ہاں فرزانہ کیا بات ہے...''

''مم ... میں ... یعنی کہ میں بتا نہیں سکتی کہ کیا ہوا ہے ... میرا
مطلب ہے ... میں وضاحت نہیں کر سکتی نا ... کیا آپ جھیل کے
کنارے آسکتے ہیں... یعنی اس سمت میں جہاں ایک غریب عورت کا
مکان ہے۔''

''آنے کو تو میں آسکتا ہوں ... لیکن اس وقت میں نواب صاحب
کے پاس موجود ہوں ... میرا مطلب ہے ... اس وقت نواب صاحب
میرے پاس موجود ہیں اور ان سے بہت اہم بات ہو رہی ہے ... تم
خود ہی نبٹ لو ... بلکہ میرا مشورہ ہے ... تم فوراً اس غریب عورت کے
گھر چلی جاؤ۔'' یہ کہتے ہی انھوں نے فرزانہ کا جواب سننے سے پہلے فون
بند کر دیا... ساتھ ہی موبائل آف کر دیا۔

''ایک بار پھر دھت تیرے کی ... محمود پانی میں غائب ہو گیا...
فاروق بھی غائب ہو گیا ... اور ابا جان کہہ رہے ہیں، میں اس غریب
عورت کے گھر چلی جاؤں ... بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے ... ابا جان کو
دراصل یہاں کی صورتِ حال معلوم نہیں ... اس لیے میں بھی ان دونوں
کے پیچھے جاؤں گی ... اس وقت کی ابا جان کی ہدایت پر عمل نہیں ہو

میں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے ... اس وقت بھی ہم نے اس کے
چھلانگ لگانے کی آواز صاف سنی تھی ... لیکن وہ ہمیں نظر نہیں آئی تھی
... اب ہم چونکہ جھیل کے بالکل قریب تھے اور کنارے پر پہنچ گئے تھے
،اس لیے ہم نے جھیل کے عین درمیان میں پانی کی سطح پر ہل چل سی
محسوس کرلی ... ورنہ جھیل کا پانی تو عام طور پر پرسکون ہوتا ہے ... عام
لوگ سب اس کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے جھیل کے کنارے تک
آتے ہوں گے ... تو پانی کی سطح ان کے آنے سے پہلے ہی پرسکون ہو
چکی ہوتی ہوگی ،اس لیے وہ یہ نہیں جان سکتے کہ لڑکی پانی میں ہے...''

''تو پھر وہ یہیں کہیں چھپی ہوگی ... آؤ۔''

وہ ان جھاڑیوں میں چلنے لگے ... ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے
بڑھتے رہے ...

''وہ ضرور ان جھاڑیوں میں کہیں چھپی ہوئی ہے ... اور وہ ہمیشہ
اسی طرح آتی ہے ... تبھی لوگ اسے تلاش نہیں کر پاتے ...لیکن سوال
یہ ہے کہ وہ ہے کون۔'' فرزانہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''ہم بہت جلد یہ بات معلوم کرلیں گے...وہ ابھی ابھی اس
طرف آئی ہے ... لہٰذا اس کے پیروں کے نشانات ضرور ملیں گے اور
اگر نشانات مل گئے تو ہم اس تک پہنچ جائیں گے۔''محمود کے لہجے میں

جوش تھا۔

''تب پھر ہمیں تین جگہ سے آگے بڑھنا چاہیے ... اس طرح ہم
زیادہ جگہ کا جائزہ لے سکیں گے۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''ہاں !یہ ٹھیک ہے ... کبھی کبھی فاروق بھی کام کی بات کہہ دیتا
ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''اس لیے کہ اکثر کام کی بات کہنے کا ٹھیکہ تم نے جو لے رکھا
ہے۔'' اس نے جل کر کہا۔

محمود اور فرزانہ لگے مسکرانے ، ایسے میں فاروق نے چونک کر
کہا۔

''آہا... وہ رہے پیروں کے نشانات۔''

دونوں دوڑ کر اس کے پاس پہنچے ... اس کے سامنے ناک کی
سیدھ میں پیروں کے نشانات نظر آرہے تھے ... اب تو ان پر جوش سوار
ہوگیا ... وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے ... اگرچہ جھاڑیاں قدم قدم پر
رکاوٹ بن رہی تھیں...اس کے باوجود وہ آگے بڑھ رہے تھے ... ان
پر تو اس وقت بس ایک ہی دھن سوار تھی ... اور وہ یہ کہ کسی طرح اس
لڑکی کو پکڑلیں اور اس سے پوچھیں کہ یہ سب کیا چکر ہے ... کیونکہ
انھیں ایک بات کا یقین تھا ... یہ کہ اس لڑکی کو بہت کچھ معلوم ہے

...اب اگر وہ ان کے قابو میں آجاتی تو کیس کے بارے میں بہت اہم
باتیں وہ معلوم کر لیتے ... وہ آگے بڑھتے چلے گئے ... اور پھر ان کے
قدم رک گئے ... مارے حیرت کے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں
... ان کے سامنے گھنی جھاڑی کے نیچے ایک لڑکی کے کپڑے پڑے
تھے۔

انھوں نے فوراً ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''یہ ... یہ تو اسی چھلاوہ لڑکی کے ہیں۔''

''ہاں ... اس میں شک نہیں ... ہمیں وہ پہلی مرتبہ اسی لباس
میں نظر آئی تھی۔''

''حیرت ہے ... ان کپڑوں کا یہاں کیا کام۔''

''یہ تو ایسا لگتا ہے ... جیسے اور ہو ... آؤ جلدی کرو۔''

یہ کہتے ہی فرزانہ نے دوڑ لگادی ... اس کا رخ نہ تو مہمان
خانے کی طرف تھا اور نہ محل کی طرف ... بلکہ وہ اس غریب عورت کے
مکان کی طرف دوڑی جارہی تھی اور کچھ اس تیزی سے دوڑی تھی کہ محمود
اور فاروق کو اس کا ساتھ دینے میں مشکل پیش آرہی تھی اور پھر وہ اس
عورت کے مکان کے دروازے پر جا پہنچی ... اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ
...دروازے کو دھکیل دیا ... لیکن دروازہ اندر سے بند تھا ... یہ دیکھ کر

اس نے زور دار انداز میں دستک دی... فوراً ہی اس عورت کی آواز سنائی
دی۔

''کون ؟''

''یہ ہم ہیں ماں جی۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''اوہ اچھا ... بیٹا تم ہو ... راکبہ ... بیٹی دروازہ کھول دو۔''

''جی اچھا امی !'' راکبہ کی آواز سنائی دی۔

اور پھر دروازہ کھل گیا ... انھوں نے دیکھا ... راکبہ اپنے اسی
لباس میں تھی جس میں وہ اسے پہلے دیکھ چکے تھی ... انھوں نے اس کا
بغور جائزہ لیا ... ادھر اس کی ماں کی آواز سنائی دی۔

''کیا ہوا بیٹی ... کیا یہ لوگ چلے گئے۔''

''جی نہیں ... آپ آئیں نا ... باہر کیوں رک گئے۔''

''ہم تو بس ...'' محمود کہنے لگا تھا کہ اس کے موبائل کی گھنٹی بجی
... اس نے فوراً موبائل جیب سے نکالا ... اسکرین پر اس کے والد کا
نام تھا جونہی اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگایا ... ادھر سے ان
کی آواز آئی ...''

''تم لوگ کہاں ہو؟''

''جی ہم ... ہم راکبہ کے دروازے پر ہیں ... میرا مطلب ہے

... محل اور مہمان خانے کے مخالف سمت میں جو مکان ہے ... اس کے دروازے پر..."

"تم لوگ ایسا کرو کہ یہ کام چھوڑ کر محل میں آجاؤ ... میں بھی یہیں موجود ہوں ... واضح رہے کہ تم مہمان خانے کا رخ نہیں کرو گے ... سیدھے میرے پاس آؤ گے۔"

"خیر تو ہے ابا جان۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں ! الحمد للہ ! سب خیریت ہے ... بس تم سیدھے ادھر آجاؤ ... مہمان خانے میں بھی نہ جانا۔"

"اچھی بات ہے ... ہم آرہے ہیں۔" محمود نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور لڑکی اور اس کی والدہ سے مخاطب ہو کر بولا:

"ہمیں اچانک واپس جانا پڑ گیا ہے ... ہم پھر کسی وقت آئیں گے۔"

"جی اچھا ..." راکبہ نے فوراً کہا۔

وہ مڑنے لگے تھے کہ فرزانہ کی نظر راکبہ کے کانوں پر جا پڑی ... وہ دھک سے رہ گئی ... تاہم اس نے راکبہ کو یہ بات محسوس نہ ہونے دی کہ وہ کسی بات پر چونکی ہے... پھر جونہی وہ دروازے کی طرف سے دوسری طرف مڑے... انھیں حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

☆☆☆☆☆

واپسی

انھوں نے دیکھا ... دروازے سے کچھ فاصلے پر ایک سرکاری گاڑی کھڑی تھی ... ڈرائیور کی جگہ گاڑی میں ایک فوجی بیٹھا تھا ... اور دو فوجی پیچھے کھڑے تھے۔

"آپ کو ہمارے ساتھ محل میں چلنا ہے ... وہاں آپ کے والد صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"جی اچھا ! لیکن اس کے لیے گاڑی لانے کی کیا ضرورت تھی ... محل تو یہ رہا ... چند منٹ کے فاصلے پر۔"

"نواب صاحب کا حکم۔" ایک فوجی بولا۔

اس کے لہجے نے انھیں چونکا دیا ... اس لمحے انھیں پریشانی سی محسوس ہوئی ... پھر وہ بغیر کچھ کہے گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئے ... دونوں فوجی ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے ... یہ دیکھ کر وہ اور زیادہ چونک گئے۔

''کچھ گڑ بڑ ہے۔'' فرزانہ بولی۔

''جی نہیں ... کوئی گڑ بڑ نہیں ... چلیے۔'' فوجی نے کہا۔

اور پھر گاڑی چل پڑی ... گاڑی جلد ہی محل میں داخل ہو گئی ... انھیں نیچے اترنے کے لیے کہا گیا ... پھر دو فوجیوں کے درمیان اٹھ کر انھیں اندر لایا گیا ... جہاں انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے ساتھ موجود تھے اور وہاں نواب احتشام بھی تھے ... ان کے علاوہ اس کے قریب فوجی رائفلیں تانے بالکل چوکس کھڑے نظر آئے ... ان کی گنوں کا رخ ان تینوں کی طرف تھا۔

''یہ ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔''

''ایسا ہی ہوتا ہے ... نواب صاحب کا خیال ہے ... ہم نا پسندیدہ لوگ ہیں ... لہذا ہمیں فوری طور پر ریاست سے اپنے ملک بھیجا جا رہا ہے۔''

''لیکن نواب صاحب نے تو خود ہمیں اپنے کیس کے سلسلے میں بلایا تھا۔''

ہاں! بلایا تھا ... لیکن اب انھیں ہماری ضرورت نہیں رہی، اس لیے ہمیں واپس بھیج رہے ہیں۔''

''یہ تو عجیب بات ہو گئی۔''

''عجیب بات ہو گئی یا نہیں ... ہے یہی بات ... اچھا نواب صاحب ... آپ کا شکریہ!''

''آپ کے بارے میں مکمل ہدایات دے دی گئی ہیں ... آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ یہاں سے سیدھے اپنے ملک جائیں ... یہاں کے معاملات کو اپنے دل و دماغ سے نکال پھینکیں ... لے جائیں انھیں ... ان کے لیے ایک چھوٹا سا جہاز بالکل تیار کھڑا ہے ... اس میں ایک پائلٹ موجود ہے ... جونہی یہ بیٹھیں گے ... جہاز اپنی پرواز شروع کر دے گا ... اور آپ کو معلوم ہی ہوگا ... کہ ... آپ کا سفر بہت مختصر سا ہے، آپ صرف ایک گھنٹے بعد اپنے ملک کے ایئر پورٹ پر اتر جائیں گے ... یہ جہاز آپ کو وہاں اتارنے کے ساتھ ہی واپس آجائے گا ... اس کے بعد آپ زندگی میں پھر کبھی ریاست بھورن کا رخ نہیں کریں گے ... اگر کیا اور آپ ریاست میں داخل ہوئے تو آپ کا یہ قدم غیر قانونی گنا جائے گا ... آپ کو فوراً گرفتار کیا جائے گا ... آپ کا حلیہ ریاست میں داخل ہونے کے تمام راستوں پر موجود نگرانی کرنے والوں کو بتا دیا گیا ہے ... اگر آپ کو اندر داخل ہونے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تو پھر ہم آپ کو رہا نہیں کریں گے ... کیا آپ یہ تمام باتیں سمجھ گئے۔''

''جی نواب صاحب ! ہم سمجھ گئے ... ہمیں آپ نے خود بلایا تھا، ہم اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئے ... یہ بات ذہن میں رکھیں ... دوسری بات، ہم لوگ کوئی عام لوگ نہیں ہیں ... اپنے ملک کے اعتبار سے خاص لوگ ہیں ... لہذا آپ ہم سے اس لہجے میں بات نہ کریں ... تیسری بات! میں آپ کی بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں ... آپ اس کیس کی تفتیش مکمل ہونے دیں ... یہ بات آپ کے حق میں جائے گی ... ورنہ خود آپ کی ریاست کی رعایا آپ کے خلاف ہو جائے گی ... اور پھر رعایا تفتیش کرانے پر تل جائے گی تو آپ کیا کر سکیں گے۔''

''یہ میری ریاست ہے ، ریاست کے لوگ میرے ہیں ... میں ان سے معاملات طے کر لوں گا ... آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ...''

''آپ کی مرضی... ہم چلے جائیں گے ... جانے سے پہلے ایک درخواست ہے۔''

''کوئی درخواست نہیں سنی جائے گی ... آپ تو بس چلے جائیں... میں آپ کی موجودگی مزید ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔'' نواب صاحب بولے ۔

''ایک بات تو آپ کو سننی اور ماننی پڑے گی ... اس میں آپ کا اپنا فائدہ ہے ۔''

''نہیں ... کوئی بات نہیں ۔''نواب صاحب کے لہجے میں اور زیادہ سختی آ گئی ۔

''اچھی بات ہے ... ہمیں یہاں کے قانون کے مسودے کی نقل چاہیے ... وہ دے دیں ... ہم یہاں سے چلے جائیں گے... اور پھر اس ریاست کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے ۔''

''میں نے کہا نا ... میں کوئی بات نہیں سن سکتا... نہ آپ کی کوئی درخواست مان سکتا ہوں ... بس آپ چلے جائیں ... اور میں آپ سے کچھ نہیں چاہتا ۔''

''آپ ہماری ایک بات سن لیں ۔''

''نہیں !''

''نواب صاحب ... اس طرح تو پھر ہم بھی نہیں جائیں گے ۔''

''کیا کہا ... آپ نہیں جائیں گے ... یعنی میں آپ سے کہہ رہا ہوں... آپ یہاں سے چلے جائیں ... یہ میری درخواست ہے ... میں اس ریاست کا حکمران ہوں اور آپ کہہ رہے ہیں ... آپ یہاں سے نہیں جائیں گے ۔'' نواب صاحب تقریباً چلا اٹھے ... ساتھ ہی انھوں

نے زوردار تالی بجادی...

اسی وقت چند مسلح آدمی اندر گھس آئے۔

''ان لوگوں کو لے جاؤ۔''

''آئیے!''ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

''اگر آپ میں طاقت ہے اور ہمت ہے تو ہمیں اٹھالیں۔''

''جمشید! ہم بات کیوں بڑھائیں... ریاست کے نواب جب خود نہیں چاہتے کہ ہم یہاں نہ رہیں تو ہم چلے جاتے ہیں... ہمارا کیا جاتا ہے۔'' پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

''ہماری انسانیت جاتی ہے۔''انھوں نے آنکھیں نکالیں۔

''اوہ۔''وہ دھک سے رہ گئے۔

''انھیں اٹھالو... اور باہر گاڑی میں ڈال کر ایئر پورٹ پہنچا دو۔'' نواب غرائے۔

''ہاں ہاں! پہنچا دو بھئی... پہنچا دو ہمیں۔''انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

''ابا جان! ہم چلتے ہیں... چھوڑیں۔''

''تم چپ رہو۔''

''جمشید... آخر اس کا کیا فائدہ۔'' خان رحمان نے قدرے

پریشان ہو کر کہا۔

''تو پھر خان رحمان! یہ تمھارے دوست ہیں... تم ان سے بات کرلو... یہ قانون کے مسودے کی نقل ہمیں دے دیں... اس کے بعد ہم ان کے جہاز میں بیٹھ کر اپنے ملک چلے جائیں گے... اور انھیں سوچنا چاہیے... قانون کا مسودہ تو میں ویسے بھی حاصل کر سکتا ہوں... یہ کام میرے لیے مشکل نہیں ہوگا...''

''نہ آپ کو قانون کا مسودہ ملے گا... نہ آپ کی کوئی اور بات مانی جائے گی... آپ کے لیے آخری موقع ہے... آپ یہاں سے چلے جائیں۔''

''اٹھیے ابا جان... چلیے... بلاوجہ ہم کیوں پریشانی مول لیں۔'' فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

''تم لوگوں کو آج کیا ہو گیا... کیوں ڈر گئے... کیوں گھبرا گئے... کیا تم باقی تمام زندگی ندامت کی زندگی گزارنا چاہتے ہو... کیا تمھارا ضمیر تم سے بار بار یہ نہیں کہے گا کہ تم کسی کو مصیبت میں چھوڑ کر ریاست سے چلے آئے... تم بزدل ہو۔''

''مصیبت میں... لیکن کسے؟''

''یہی تو دیکھنا ہے... اس ریاست میں مصیبت میں کون ہے...

جسے انصاف ملتے دیکھنا نواب صاحب کو پسند نہیں ... ''

''آپ کچھ بھی کہتے رہیں ... مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ... بس یہاں سے چلے جائیں۔''

''اور نواب صاحب ! آپ بھی ایک بات لکھ لیں ... ہم یہاں سے یا تو اس کیس کی تفتیش کر کے جائیں گے ... یا پھر کم از کم قانون کا مسودہ لے کر جائیں گے ... اور میں پھر کہتا ہوں ... اس میں نواب صاحب کی بچت ہے ... ان کا فائدہ ہے ... یہ اپنے لیے مصیبت کو خود آواز دے رہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے ... آپ لوگ نہیں مانیں گے ...'' یہ کہہ کر وہ ان محافظوں کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

''آپ مزید فورس بلا لیں ... ان لوگوں کو زبردستی اٹھا کر لے جائیں۔''

''بہت بہتر سر۔''

ان میں سے ایک نے کہا اور کمرے سے نکل گیا ... جلد ہی وہاں پچاس کے قریب فوجی آموجود ہوئے ... وہ ان کے گرد جمع ہو گئے ... انھوں نے سب سے پہلے انسپکٹر جمشید کو اٹھانا چاہا ... اس پر ان سے چار نوجوان آگے بڑھے تھے ... انھوں نے ان کی بغلوں میں ہاتھ ڈال

دیے ... اور انھیں اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ چاروں مل کر انھیں ایک انچ بھی اوپر نہ اٹھا سکے۔

''کیا بات ہے ... تم چار بہترین جوان ہو اور تم سے ایک آدمی نہیں اٹھ رہا ... یہ اتنے وزنی تو نہیں۔''

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا ... پھر مل کر زور لگانے لگے ... پورا زور صرف کرنے کے باوجود وہ انھیں اٹھا نہ سکے۔

''بھئی آٹھ آدمی مل کر اٹھا لیں... نواب صاحب نے برا سا منہ بنایا۔''

اب وہ آٹھ ہو گئے ... انھوں نے مل کر زور لگایا ... لیکن آٹھ بھی نہ اٹھا سکے ... اور وہ آٹھوں پسینہ پسینہ نظر آرہے تھے ... ساتھ میں ان کے چہروں سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں ... ادھر نواب احتشام کی حیرت بڑھتی جارہی تھی ... آخر انھوں نے کہا۔

''ان کے ساتھیوں کو اٹھا کر لے جاؤ اور جہاز میں بٹھا دو ... اس کے بعد بڑے پیمانے پر فوج یہاں لائی جائے، انھیں رسیوں سے پکڑ کر سب مل کر گھسیٹیں ... اور جہاز پر سوار کرادیں ...''

''اس سے کیا ہو گا نواب صاحب ؟'' انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"تم لوگوں کو جیسے بھی ہو ... اپنی ریاست سے باہر تو بھیجنا ہے نا۔"

"اچھی بات ہے ... آپ اپنی کوشش کرلیں۔"

اب پہلے پروفیسر داؤد کو جکڑا گیا ... باقی لوگوں پر کلاشن کوفیں تنی تھیں...انھیں کھینچ کرلے جایا گیا ... پھر خان رحمان کو لے جایا گیا ... اسی طرح محمود، فاروق اور فرزانہ کو لے جایا گیا ... آخر میں پھر انسپکٹر جمشید کی باری آئی...انھیں رسیوں سے باندھا جانے لگا... ان حالات میں انھوں نے نواب صاحب سے کہا۔

"نواب صاحب! آپ نے اپنے حق میں یہ اچھا نہیں کیا... بہتر وہی تھا جو ہم کہہ رہے تھے ... اب ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"میری مجبوری یہ ہے کہ آپ میرے ملک میں مہمان آئے ہوئے ہیں ... اور بلایا بھی میں نے خود تھا ... کہیں آپ لوگ اپنی مرضی سے آئے ہوتے تو میں اس وقت سب کو موت کے گھاٹ اتروا دیتا۔"

"نواب صاحب! یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔" وہ پرسکون آواز میں بولے۔

"پتا نہیں ... میرے اختیار میں کیا ہے اور کیا نہیں ... فی الحال آپ تو جائیں ... ان رسیوں کو اب بہت سے آدمی مل کر کھینچیں گے اور

میں دیکھنا چاہتا ہوں ... اس کام کے لیے کتنے آدمی درکار ہوں گے..."

"اچھی بات ہے۔"

رسیوں کو کھینچا گیا ... آخر انسپکٹر جمشید کھنچتے چلے گئے ... اس وقت نواب صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا:

"انسپکٹر جمشید! آپ نے بلاوجہ ضد کی ... بلاوجہ اڑے ... فائدہ تو کوئی بھی نہیں ہوا... بے بسی کے عالم میں آپ کو جہاز میں سوار کیا جائے گا اور آپ اسی بے بسی کے احساس کے ساتھ اپنے ملک کی سر زمین پر قدم رکھیں گے...ایئر پورٹ پر آپ کے ماتحت گاڑی لیے موجود ہوں گے۔"

"ہم آپ کی ریاست میں آئیں گے ... اس کیس کے مجرم کو بے نقاب کریں گے... وہ آپ ہوں یا کوئی اور ہمیں بہر حال آنا ہے،انھیں ایک ایک انجکشن لگانا نہ بھولنا..."

"اور میں آپ لوگوں کا انتظار کروں گا۔"

"اچھی بات ہے ...یونہی سہی۔"

اور پھر رسیاں کمرے سے باہر نکل گئیں ... ان کے ساتھ ہی وہ باہر چلے آئے ... اتنے بہت سے لوگوں کے مقابلے میں وہ کب تک

اپنے آپ کو روکتے ... یوں بھی اب کوئی فائدہ نہیں تھا ...

اور پھر انھیں جہاز میں بٹھا دیا گیا ... جلد ہی جہاز پرواز کر رہا تھا ... ایک گھنٹے بعد ہی وہ اپنے ایئر پورٹ پر اتر رہے تھے ... ایک سرکاری گاڑی انھیں لینے کے لیے آئی ہوئی تھی ... ورنہ ریاست میں ان کے موبائل لے لیے گئے تھے ... انھیں سرکاری گاڑی میں بٹھا کر کسی نامعلوم مقام پر لایا گیا ... اس وقت انھیں پتا چلا کہ وہ اپنے ملک میں بھی آزاد حیثیت میں نہیں ہیں ... بلکہ انھیں حراست میں لے لیا گیا ہے ... وہ خاموش رہے ... کر ہی کیا سکتے تھے ... پھر گاڑی ایک عمارت میں داخل ہوئی ... انھیں اس عمارت میں اتار دیا گیا ... عمارت کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

''یہ کیا ہوا... یہ تو یہاں بھی نواب صاحب کا حکم چل رہا ہے ... کیا یہ ہمارا ملک نہیں ہے۔''

''ہاں ! ہمارا ملک ہے ... لیکن لگتا ہے ... ہمارے خلاف نواب صاحب نے ہمارے ملک کے بڑے لوگوں کے خوب کان بھرے ہیں ... اور ریاست کا اثر ہمارے ملک پر بھی ہے ... میرا مطلب ہے ریاست ہمارے ملک کے لیے اہم ہے ... خیر جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ اصل بات کیا ہے...''

پھر چند ملٹری آفیسر اس عمارت میں داخل ہوئے ... انھوں نے ان سب کا جائزہ لیا۔

''آپ لوگ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہیں؟''

''جی ہاں !'' وہ بولے۔

''ریاست میں کیا معاملہ ہوا ؟''

انسپکٹر جمشید نے وضاحت کر دی۔

''یہ تو آپ نے ٹھیک کام نہیں کیا۔''

''کیا مطلب؟''

''جب ریاست کا نواب خود ایک معاملے کے تفتیش نہیں چاہتا تھا تو آپ خاموشی سے واپس آجاتے ... آپ نے وہاں زبردستی کیوں کی۔''

''اس لیے کہ وہاں کسی پر ظلم ہو رہا ہے ... ہم جاننا چاہتے تھے ... ظلم کس پر ہو رہا ہے اور کیوں ؟''

''لیکن آپ وہاں مہمان تھے ... آپ کو وہاں اپنی مرضی چلانے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔''

''میرا خیال ہے ... میرا اختیار تھا، بلکہ اب بھی اختیار ہے۔''

''یہ تو آپ نے عجیب بات کہی۔''

"میں اس سے بھی عجیب باتیں کہہ سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"مثلاً؟" طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

"مثلاً یہ کہ آپ لوگوں کا تعلق براہ راست اسی حکومت میں ہوتے ہوئے ہماری حکومت سے نہیں ہے۔"

"کیا مطلب... ہم سمجھے نہیں۔" ہنس کر کہا گیا۔

"آپ کا تعلق ہمارے ملک کی فوج سے ہے تو ضرور... لیکن آپ ملک سے غداری کر رہے ہیں... آپ کو ہمیں اس عمارت میں نہیں لانا چاہیے تھا... ہمارے محکمے کو ہمارے بارے میں اطلاع دینی چاہیے تھی... پھر وہ جو مناسب سمجھتے کرتے۔"

"ہم انھیں اطلاع دیں گے... پہلے اپنا اطمینان کر یں گے۔"

"اچھی بات ہے... جو کرنا ہے... سوچ سمجھ کر کریں... ایسا نہ ہو کہ آپ کو بھی لینے کے دینے پڑ جائیں... آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ ہمیں اپنے محکمے تک پہنچا دیں... اس وقت اگر آپ نے ایسا کر لیا تو ہم آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے... لیکن اگر آپ نے اس معاملے کو اسی طرح چھوڑ دیا... اور ہمیں قید میں رکھا تو پھر معاملہ معافی پر ختم نہیں ہو گا... پھر آپ کو سزا بھگتنا ہو گی۔"

ایسا وقت اس ملک میں تو آئے گا نہیں... نہ ریاست میں آئے گا... ہاں کسی اور جگہ ہم اتفاق سے جمع ہو گئے تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔" فوجی آفیسر نے کہا۔

"آپ کا لباس ہمارے ملک کی فوج جیسا ہے... کیا آپ کا تعلق ہمارے ملک کی فوج سے ہے۔"

"ہاں بالکل۔"

"آپ کا نام۔"

"سوالات ہمیں آپ سے کرنے ہیں... نہ کہ آپ کو ہم سے... ہمارے سوال کا جواب دیں... نواب صاحب کے معاملے میں آپ کا ذہن کیا کہتا ہے۔"

"یہ کہ یہ کوئی بہت گہری سازش ہے... لیکن ابھی ہم سازش کی تہ تک نہیں پہنچے... البتہ پہنچ ضرور جائیں گے۔"

"یہ لوگ قابلِ معافی نہیں ہیں... انھیں بند کر دو۔" اس نے حکم دیا۔

☆☆☆☆☆

حیرت

صدر نے پریشانی کے عالم میں موبائل کی طرف دیکھا، پھر جھلا کر شیخ نثار کے نمبر ملائے، سلسلہ فوراً ہی ملا اور ان کی آواز سنائی دی ۔

''کیا حکم ہے سر۔''

''انسپکٹر جمشید سے رابطہ نہیں ہو رہا ... نہ باقی ساتھیوں کے موبائل آن ہیں ... اور میں ان سے ایک ضروری بات پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے ... یہ لوگ ریاست گئے ہوئے ہیں ... وہاں کے نواب صاحب نے انھیں شکار کی دعوت دی ہے ... شکار گاہ میں ہوں گے ...''

''تو کیا شکار گاہ میں سگنل نہیں جا سکتے ۔''

''مجھے معلوم نہیں سر ... میں معلوم کرتا ہوں ۔''

''اچھی بات ہے ... جونہی ان سے رابطہ ہو، میری ان سے بات کرادیں ۔''

''جی بہتر ؟''

اور پھر شیخ صاحب نے نواب احتشام کے نمبر ملائے ... سلسلہ فوراً ہی مل گیا ... نواب صاحب کی آواز سنائی دی ۔

''نواب احتشام بات کر رہا ہوں ۔''

''اور یہ میں ہوں نواب صاحب ... شیخ نثار احمد ... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی آپ کی دعوت پر یہاں آئے ہوئے ہیں ... لیکن ان سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے ۔''

''وہ تو واپس جا چکے ہیں ۔''

''لیکن نواب صاحب ... وہ یہاں نہیں پہنچے ۔''

''انھیں یہاں سے ایک چھوٹے جہاز پر بھیجا گیا تھا ... ہماری اطلاعات کے مطابق تو وہ پہنچ چکے ہیں ... آپ ایئرپورٹ حکام سے بات کر لیں ۔''

''اوہ اچھا شکریہ ۔''

اب انھوں نے ایئر پورٹ حکام سے رابطہ کیا ... ایئر پورٹ کے منیجر نے بتایا ۔

''ایک چھوٹا جہاز انھیں لے کر اترا تھا سر ... انھیں لینے کے لیے

گاڑی آئی تھی ... وہ اس میں بیٹھ کر چلے گئے۔"

"اوہو اچھا ... کمال ہے ... خیر ... آپ کا شکریہ ... میں معلوم کرتا ہوں، وہ کہاں ہیں۔"

"میں بھی پریشان ہو گیا ہوں ... جونہی ان کے بارے میں معلوم ہو، مجھے بھی بتا دیجیے گا۔" نواب احتشام کی آواز سنائی دی۔

"اچھی بات ہے۔" آئی جی صاحب نے کہا اور پھر بیگم جمشید کے نمبر ملائے، ان کی آواز سنتے ہی انھوں نے کہا:

"بھابھی صاحبہ! کیا یہ لوگ ریاست سے واپس آ چکے ہیں۔"

"جی ... نہیں تو ... ابھی تو ان کی واپسی میں کئی دن باقی ہیں۔"

"لیکن وہاں کی ... میرا مطلب ہے، ریاست کی طرف سے اطلاع یہ ہے کہ وہ یہاں پہنچ چکے ہیں، ایک چھوٹا جہاز انھیں لے کر یہاں آیا تھا ... اور انھیں ایئر پورٹ پر اتار کر واپس چلا گیا ... ایئر پورٹ حکام نے بھی یہی بتایا ہے۔"

"کیا مطلب ... کیا بتایا ہے انھوں نے؟"

"یہ کہ ایک چھوٹا سا جہاز انھیں لایا تھا اور ایئر پورٹ پر انھیں لینے کے لیے گاڑی آئی تھی۔"

"کیا آپ نے انھیں رنگ کرنے کی کوشش کی؟"

"یہ کوشش صدر صاحب کر چکے ہیں ... ان کے تمام نمبر بند ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم کرے ... پھر وہ کہاں چلے گئے ..."

"یہ تو اب ہمیں معلوم کرنا ہے ... مجھے کوئی بڑی گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے ... خیر ... گھبرائیں نہیں ... ہم طوفانی انداز میں اپنی کوشش شروع کر رہے ہیں۔"

"جی اچھا ... اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

فون بند کر کے آئی جی صاحب نے یہ اطلاع پہلے اکرام کو دی ... پھر ادھر ادھر ہر طرف فون کر کے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ان کے بارے میں کسی طرف سے بھی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی ... آخر انھوں نے صدر صاحب کو فون کیا ... سلسلہ ملنے پر وہ بولے۔

"سر! ان کا کوئی پتا نہیں چل رہا ... میں انسپکٹر کامران مرزا کو فون کر رہا ہوں۔"

"یہی کرنا ہوگا ... حالات کسی خوفناک گڑبڑ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے سر ... میں انھیں فون کرتا ہوں ... اللہ اپنا رحم

فرمائیے۔"

اب انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کے نمبر ملائے ... سلسلہ ملنے پر انھوں نے تمام حالات کہہ سنائے ... انسپکٹر کامران مرزا پوری طرح خاموش رہ کر حالات سنتے رہے ... ان کے خاموش ہونے پر بولے۔

"ہم آرہے ہیں سر ... حالات سنسنی خیز ہیں ... لگتا ہے، کوئی بڑا ہاتھ ہوگیا ان سے۔"

"ہم سب کا بھی خیال ہے ... اور ہم سب بہت پریشان ہیں ... میں صدر صاحب کے ذریعے آپ کے ایئر پورٹ حکام سے انتظام کراتا ہوں ... آپ جونہی ایئر پورٹ پر پہنچیں گے کوئی پرائیویٹ ... میرا مطلب ہے ... چھوٹا طیارہ تیار ملے گا ... جو صرف آپ لوگوں کے لیے پرواز کر جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر دو گھنٹے بعد انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت وہاں پہنچ گئے ... ایئر پورٹ پر آئی جی شیخ نثار احمد انھیں لینے کے لیے آئے تھے۔

"ہم پہلے یہیں ایک چھوٹی سی میٹنگ نہ کرلیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے فکر مند انداز میں کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" شیخ صاحب نے کندھے اچکائے۔

"اور ہم آپ کی گاڑی میں بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے ... چلیے۔"

وہ گاڑی میں آبیٹھے ... ان سب کے چہرے بالکل اترے ہوئے تھے ... پریشانی صاف جھلک رہی تھی ... انسپکٹر جمشید پارٹی بہت ہی پراسرار اور سنسنی خیز انداز میں غائب تھی ... اور ابھی تک کسی طرف سے بھی ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

"میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں ... پہلے اس تجربے سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس معاملے میں نواب احتشام کا ہاتھ تو نہیں ہے ... کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ ہمارے ساتھی یہاں ایئر پورٹ پر پہنچائے گئے تھے ... یہاں سے انھیں ایک گاڑی لے گئی ... ایئر پورٹ کے حکام بھی یہی کہتے ہیں ... ہم ایئر پورٹ حکام سے بھی بات کریں گے ... ایک فون نواب صاحب کو ... کیا آپ کی اجازت ہے۔"

"کامران مرزا ... کیسی بات کر رہے ہو ... میرا تو مارے پریشانی کے برا حال ہے ... جو کرنا ہے، کرو ... کھلی اجازت ہے۔"

"شکریہ!"

اب انھوں نے آئی جی صاحب کے موبائل سے نواب احتشام کو

فون کیا ... ادھر نواب نے فون کا نمبر دیکھ کر فوراً فون سنا۔

''جی شیخ صاحب؟''

''نواب صاحب ... انسپکٹر کامران مرزا آئی جی صاحب کی آواز میں بولے ... ان کے منہ سے اپنی آواز سن کر آئی جی صاحب بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہے ... اگر چہ وہ ان حضرات کی ایسی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے۔''

''انسپکٹر جمشید پارٹی کا تو پندرہ دن کا پروگرام تھا ... انھوں نے اتنی جلدی واپسی کیوں کی۔''

''مجھ سے تو انھوں نے بس یہ کہا تھا کہ اس مرتبہ پتا نہیں کیا بات ہے... شکار میں دل نہیں لگ رہا ... ہم پھر کبھی آئیں گے ... ہم واپس جانا چاہتے ہیں ... سو میں نے ان کے لیے چھوٹے سے طیارے کا انتظام کر دیا ...''

''نواب صاحب! ان کو ایک عادت ہے ... کسی جگہ سے روانہ ہونے سے پہلے اطلاع دیتے ہیں ... لیکن انھوں نے نہ تو گھر فون کیا، نہ اپنے ماتحت سب انسپکٹر اکرام کو اور نہ مجھے ... جب کہ یہ ان کے اصول کے خلاف ہے... آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔''

''بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں شیخ صاحب، ہو سکتا ہے ... وہ فون

کرنا بھول گئے ہوں۔''

''دیکھیے ... وہ یہاں نہیں ہیں ... میرا مطلب ہے ... ایئر پورٹ سے انھیں گھر پہنچنا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا ...''

''یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی ... اللہ اپنا رحم فرمائے ... میں بہت پریشانی محسوس کر رہا ہوں۔''

''ادھر ہم سب بھی بہت پریشان ہیں ... صدر صاحب تک بہت بے چین ہیں اور ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے پاس آ کر تفتیش کریں ... کیا آپ انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچوں کو تفتیش کے سلسلے میں اپنی ریاست میں آنے کی اجازت دیتے ہیں۔''

''میرے خیال میں تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ... کیونکہ خود آپ کے ائیر پورٹ حکام کا کہنا ہے کہ وہ یہاں پہنچے ہیں اور انھیں لینے کے لیے ایک گاڑی ائیر پورٹ پر آئی تھی ... لہذا یہاں تو ان کے ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا... ان حالات میں یہاں آنے کا کیا فائدہ۔''

''لیکن ہم یہی چاہتے ہیں ... آپ تو صرف یہ بتا دیں کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں نا ... اور ان لوگوں کو آنے کی اجازت تو ہے نا۔''

''میں پھر یہی کہوں گا کہ ...''

''میں آپ کا جواب سن چکا ہوں ... لیکن ہم یہاں آکر تفتیش کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''لیکن ہم تو محسوس کرتے ہیں۔''

''آپ ضرور محسوس کریں ... لیکن یہاں آکر کوئی فائدہ نہیں ہوگا... آپ کو چاہیے ... وہیں رہ کر انھیں تلاش کریں ... ان کا سراغ لگائیں ... آپ ضرور ان تک پہنچ جائیں گے۔''

''چلیے ٹھیک ہے ... ہم انھیں یہیں تلاش کرنے کی کوشش کر لیتے ہیں... اور اگر وہ یہاں نہ ملے تو؟''

''کیوں نہیں ملیں گے ...''

''اچھی بات ہے ... صاف مطلب یہ ہے کہ آپ ہمیں اجازت نہیں دینا چاہتے۔''

''میں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔''

''شکریہ نواب صاحب۔'' یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا۔

''دال میں کالا ہے ... اب ہم ایر پورٹ سے ہی اپنا کام شروع

کرنا چاہتے ہیں ... آپ دفتر چلیں ... ہم آپ کو رپورٹ دیتے رہیں گے۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''نہیں!'' انھوں نے سخت انداز میں سر ہلایا۔

''جی کیا مطلب!''

''مطلب یہ کہ میں نہیں جاؤں گا... تم لوگوں کے ساتھ رہوں گا، اس لیے کہ میں بہت بے چین ہوں۔''

''جیسے آپ کی مرضی ... آئیے ایئر پورٹ پر اپنا کام مکمل کریں... ہم ایئر پورٹ کے جنرل منیجر سے ملنا پسند کریں گے۔''

''میں ان سے بات کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر آئی جی صاحب نے جنرل منیجر کا نمبر ملایا... سلسلہ ملنے پر بولے۔

''شیخ نثار احمد بات کر رہا ہوں ... ہم یہاں ایئر پورٹ کے باہر موجود ہیں، آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔''

کس سلسلے میں شیخ صاحب۔''

''ریاست سے آنے والے ایک چھوٹے طیارے کے سلسلے میں۔''

''آپ میرے دفتر میں آجائیں، میں وہیں متعلقہ لوگوں کو بلالوں گا... آپ نے میرا دفتر دیکھا ہوا ہے؟''

’’جی نہیں ۔‘‘ وہ بولے ۔

’’آپ عملے کے کسی بھی آدمی سے پوچھ لیں ... وہ آپ کو میرے پاس پہنچا دے گا ۔‘‘

’’اچھی بات ہے ۔‘‘

جلد ہی وہ جنرل منیجر خاشف کے دفتر میں بیٹھے تھے اور وہ حیرت زدہ سے انھیں دیکھ رہے تھے ۔

’’فرمایئے !میں کیا خدمت کرسکتا ہوں ۔‘‘

’’ریاست سے آنے والے چھوٹے طیارے کے بارے میں آپ کو کیا معلوم ہے ۔‘‘

’’بس یہی کہ ریاست کے ایئر پورٹ کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ ایک چھوٹے طیارے میں چند مہمانوں کو واپس بھیجا جا رہا ہے ... انھیں وصول کرلیں ... اور طیارہ واپس بھیج دیں ... پھر طیارہ آیا ... اور اس میں سے انسپکٹر جمشید اوران کے ساتھی اترے ... انھیں لینے کے لیے گاڑی آئی ہوئی تھی ... بس وہ اس گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے ۔‘‘

’’کیا آپ نے انھیں طیارے سے اترتے دیکھا تھا ؟‘‘

’’نہیں میں تو اپنے دفتر میں تھا ... عملے نے بتایا تھا کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کا طیارہ آگیا ہے ... میں نے ان سے کہا کہ ٹھیک

ہے ... انھیں ایئر پورٹ سے باہر جانے دیا جائے ،بس وہ چلے گئے ۔‘‘

’’انھیں اس گاڑی میں سوار ہوتے آپ کے عملے میں سے جس نے بھی دیکھا ... ہم اس سے بات کرنا چاہتے ہیں ۔‘‘

’’ضرور! کیوں نہیں ... میں ابھی بلاتا ہوں ۔‘‘

یہ کہہ کر خاشف نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا ... چپراسی اندر داخل ہوا تو انھوں نے کہا :

’’شماص کو بلا کر لے آؤ ۔‘‘

’’بہت بہتر سر ۔‘‘اس نے کہا اور واپس مڑ گیا ۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دبلے پتلے اور لمبے شخص کے ساتھ واپس لوٹا...اسے دیکھتے ہی خاشف نے کہا۔

’’آؤ شماص!ان حضرات کو تم سے کچھ پوچھنا ہے ۔‘‘

یہ کون حضرات ہیں ۔‘‘شماص نے حیران ہو کر کہا ۔

ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا بول اٹھے ۔

’’بھئی اتنی زیادہ حیرت صحت کے لیے اچھی نہیں ۔‘‘

’’جی ... کیا مطلب؟‘‘

وہ بہت زور سے اچھلا ... اور پھر اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا ۔

☆☆☆☆☆

جھٹکا

چند لمحے وہ انھیں گھورتا رہا، پھر بولا۔

''یہ آپ نے کیا کہا۔''

''آپ کی حیرت مصنوعی ہے ... اس لیے میں نے یہ بات کہی۔'' انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

''آخر کیسے؟''

''آپ جونہی اندر داخل ہوئے تھے، آپ کی آنکھوں میں ہمیں دیکھتے ہی حیرت نظر آئی تھی ... اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ ہمیں پہچانتے ہیں ... پھر حیران ہو کر یہ کیوں پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون حضرات ہیں۔''

''میرا خیال ہے، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ... اندر داخل ہوتے وقت میری آنکھوں میں کوئی حیرت نہیں تھی ... میں تو آپ کو پہچانتا ہی نہیں۔''

''لیکن بھئی ... ہم تو تمھیں اچھی طرح پہچانتے ہیں اور تم بھی بہت جلد یہ بات مان لو گے۔''

''کیا بات مان لوں گا۔'' اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''یہ کہ تم ہمیں بہت اچھی طرح جانتے ہو اور ہم تمھیں۔''

''پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' اس نے منہ بنایا۔

''انسپکٹر کامران مرزا صاحب ... آپ ...'' جنرل منیجر نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ شاص نے چونک کر کہا۔

''اوہ تو آپ انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔''

''تم پھر مصنوعی حیرت ظاہر کر رہے ہو۔''

''یہ محض آپ کا خیال ہے ... اور کیا آپ کا خیال غلط نہیں ہو سکتا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اوہ ہاں! ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا۔'' انھوں نے کہا، ساتھ ہی انھیں محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال آ گیا ... اس خیال سے ان کا دل بیٹھنے لگا کہ نہ جانے وہ کہاں ہیں ... زندہ بھی ہیں یا نہیں ... اس خیال کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں بھر آئیں ... انھوں نے ایک نظر شاص پر ڈالی ... پھر بولے۔

''میرا خیال ضرور غلط ہو سکتا ہے ... لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ بات

صرف خیال کی نہیں ...''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

''تم دارالحکومت کی سنٹرل جیل میں رہ چکے ہو ...'' انسپکٹر کامران مرزا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا نہیں ... یہ کیسے ممکن ہے۔'' اس بار جنرل منیجر چلائے۔

''آپ ذرا اس کے چہرے کا جائزہ لیں ... آپ خود محسوس کر لیں گے کہ یہ عین ممکن ہے۔''

منیجر نے اس کی طرف پریشان نظروں سے دیکھا، پھر بولے۔

''اس میں شک نہیں کہ اس کا رنگ اڑ گیا ہے ... شاص صاف صاف بتا دو ... کیا بات ہے ... اور اگر تم سزا یافتہ ہو تو تمھیں ملازمت کیسے مل گئی۔''

''اس سوال کا جواب تو خیر کچھ مشکل نہیں، آپ کو میں دے سکتا ہوں... اس سے تو صرف یہ پوچھیں، انسپکٹر جمشید پارٹی کو لینے کون لوگ آئے تھے اور وہ انھیں کہاں لے گئے ہیں۔''

''مجھے بالکل معلوم نہیں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''کس رنگ کی اور کون سے ماڈل کی گاڑی انھیں لینے کے لیے آئی... چلو اتنا تو بتا دو۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

''نیلے رنگ کی بڑی جیپ تھی ... پجارو۔''

''اور اس کا نمبر تو تم نے نوٹ کیا نہیں ہو گا۔''

''جی نہیں! یہ میری ڈیوٹی نہیں۔''

''تم یہاں کس کی سفارش پر بھرتی ہوئے تھے۔'' انسپکٹر کامران مرزا کی سرسراتی آواز سنائی دی۔

جواب میں اس نے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے۔

''کیا تم نے سنا نہیں ... تم سے کیا پوچھا جا رہا ہے۔'' منیجر نے غرا کر کہا۔

اس نے اب بھی کچھ نہ کہا۔

''اس سوال کا جواب تو تمھیں دینا ہی ہوگا... اور بھی جو کچھ تم جانتے ہو ... فوراً بتا دو، ایسا نہ ہو ... ہم لیٹ ہو جائیں اور انسپکٹر کامران مرزا کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔''

اس نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔

''اسے کمرۂ امتحان میں لے جانا پڑے گا ... یہ اس طرح نہیں بولے گا ... ویسے یہ بہت کچھ جانتا ہے ... کیا آپ کے ایئر پورٹ کے ریکارڈ میں اس کی فائل میں یہ درج نہیں ہوگا ... کہ اسے کس کی سفارش پر بھرتی کیا گیا تھا۔''

''ایسی غلط قسم کی سفارشات صرف فون پر کی جاتی ہیں ... تاکہ بعد میں سفارش کرنے والے نہ پھنسیں...اس کے بارے میں بھی کسی نے فون کیا ہوگا ... ویسے یہ میرے یہاں لگنے سے پہلے کا ملازم ہے۔''

''ہوں ... خیر ... ہم اس سے معلوم کرلیں گے ... یہ بولے گا ... فرفر بولے گا۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بنایا۔

پھر انھوں نے اکرام کو ہدایات دیں ... اکرام جلد ہی وہاں پہنچ گیا۔

''اکرام اسے لے چلو ... ہم بھی جلد پہنچ رہے ہیں ... ہمیں اس سے یہ پوچھنا ہے کہ اس کی ملازمت کے سلسلے میں سفارش کس نے کی تھی ... اور انسپکٹر جمشید پارٹی کو نیلے رنگ کی پجارو کہاں لے کر گئی ہے؟''

''بہت بہتر! آپ فکر نہ کریں۔''

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا منیجر خاشف کی طرف مڑے:

''ریاست کے جہاز کا کیا حساب ہے ... کیا اس کا اور ہمارا راستہ بالکل کھلا ہے ... کوئی پابندی نہیں ہے۔''

''ریاست کے دو مسافر طیارے روزآنہ آتے ہیں اور جاتے

ہیں۔''

''چھوٹے طیارے۔''

''ایسا تو آج پہلی بار ہوا ہے ... نواب احتشام صاحب نے خود فون کیا تھا کہ آپ کے ملک کے اہم لوگوں کو ایک چھوٹے خصوصی طیارے میں بھیجا جارہا ہے ... ان کا اچانک واپسی کا پروگرام بنا ہے ... ورنہ وہ یہاں پندرہ دن کے لیے آئے ہوئے تھے ... انھوں نے نام بھی بتائے تھے ... انسپکٹر جمشید، پروفیسر داؤد، خان رحمان اور تین بچے ... چند دن پہلے وہ جہاز سے یہیں سے گئے تھے اور میں نے ہی انھیں ریاست کے طیارے میں سوار کرایا تھا ... لہذا مجھے معلوم ہی تھا ... اس لیے فوراً اجازت دے دی گئی۔''

''دیکھیے میں اصل بات آپ کو بتا دیتا ہوں ... معاملات سنگین ہیں...اس معاملے سے جس کا تعلق بھی ثابت ہوا وہ نہیں بچے گا ... پھنس جائے گا...انسپکٹر جمشید پارٹی غائب ... مطلب یہ کہ گاڑی لینے کے لیے آئی تھی ... وہ نہ تو محکمہ کی طرف سے آئی تھی ... نہ ان کے اپنے گھروں سے آئی تھی ... مطلب یہ کہ اس گاڑی کے ذریعے انھیں اغوا کرلیا گیا ہے ... کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کرسکتے ہیں ... اگر آپ کو کوئی بات بھی معلوم ہے تو بتادیں ... اس وقت بتادی تو

آپ پر کوئی حرف نہیں آئے گا ... اس وقت آپ نے کچھ چھپایا تو یہ
بات آپ کے حق میں نقصان دہ ہو گی ... یہ اندازہ ہم لگا چکے
ہیں... کہ کم از کم اس سازش کا کچھ نہ کچھ تعلق شماص سے تو ضرور ہے۔''

''اسی کا ہوگا ... مجھے کچھ قطعاً کچھ معلوم نہیں ... مطلب یہ کہ ان
کی گم شدگی میں میرا کوئی مقصد نہیں ... اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو
میں بڑی سے بڑی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔''

''چلیے ٹھیک ہے ... آپ کا شکریہ ... کیا یہاں آنے والی
گاڑیوں کے نمبر نوٹ کیے جاتے ہیں۔''

''جی نہیں ... دن بھر گاڑیاں لوگوں کو چھوڑنے اور لے جانے
کے لیے آتی جاتی رہتی ہیں ... ان کے نمبر نوٹ کرنا ایر پورٹ عملے کا
کام نہیں۔''

''شکریہ ! اب ہم چلتے ہیں۔''

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے کمرہ امتحان کی طرف آئے ...
وہاں کے انچارج نے ان کا استقبال کیا ... انھوں نے فوراً پوچھا۔

''اکرام کو کوئی کامیابی ہوئی یا نہیں۔''

''جی کیا مطلب ... آپ سب انسپکٹر اکرام کے بارے میں پوچھ
رہے ہیں ... کیا وہ کسی کو لے کر ادھر آئے تھے۔''

''ارے باپ رے ... تو وہ یہاں نہیں پہنچے۔'' انسپکٹر کامران
مرزا اور تینوں بچے دھک سے رہ گئے۔

''نہیں !'' انچارج بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً سب انسپکٹر اکرام کے نمبر ملائے ...
موبائل بند تھا ... انھیں اپنے سر چکراتے محسوس ہوئے ... صورتِ حال
اور زیادہ خوفناک ہوگئی تھی۔

''اب کیا کریں۔'' وہ ان تینوں کی طرف مڑے۔

''حالات خوفناک ہیں ...'' فرحت بڑبڑائی۔

''حیرت ہے ... کمال ہے ... اکرام کو اس کے ماتحت سمیت
اور گاڑی سمیت کیسے غائب کر دیا گیا ...'' آصف بولا۔

''اور کیا اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ نہیں ہے کہ
انسپکٹر جمشید پارٹی کو گاڑی سمیت کیسے غائب کر دیا گیا ... انھوں نے
گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے خطرے کو کیوں نہ بھانپا ... اور اگر گاڑی میں
بیٹھنے تک خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا اور جب گاڑی کا رخ غلط سمت میں
ہوا، اس وقت انھیں کیوں احساس نہیں ہوا۔'' آفتاب نے پریشان ہو کر
کہا۔

''یہ باتیں خوفناک ہیں اور میں بہت پریشانی محسوس کر رہا

ہوں... وہ کسی خاص چکر میں پھنس گئے ہیں ... اور اب تو میں یہ بات
بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ چکر ریاست میں شروع ہوا ہے ... یہاں نہیں۔''

''اوہ ... اوہ۔'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''آؤ چلیں ... یہ مسئلہ یوں حل نہیں ہوگا۔'' شیخ نثار احمد نے
گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اب ان کا رخ ایوانِ صدر کی طرف تھا... صدر صاحب نے ان
پر حیرت بھری نظر ڈالی، پھر فکر مندانہ لہجے میں بولے۔

''اس کا مطلب ہے ... آپ لوگ بھی ابھی تک ان کا کوئی
سراغ نہیں لگا سکے۔''

''نہیں سر ... لیکن ہم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس کیس کا تعلق
ریاست سے ہے۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔'' صدر صاحب نے انکار میں سر ہلایا۔

''دیکھیے ... میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں۔'' انسپکٹر کامران مرزا
اداس انداز میں مسکرائے۔

''یہ تو اچھی بات ہے ... کریں ثابت!'' صدر صاحب نے کہا۔

''اگر اس سارے چکر کا ریاست سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو وہ وہاں
سے روانہ ہوتے وقت یا تو اکرام کو فون کرتے یا شیخ صاحب کو اور

انھیں بتاتے کہ وہ لوگ آرہے ہیں، ایئر پورٹ پر گاڑی بھیج دیں ...
لیکن نہ تو اکرام کو ایسا فون موصول ہوا... نہ شیخ صاحب کو ... کیوں
سر؟'' انسپکٹر جمشید نے یہاں تک کہہ کر سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''بالکل یہی بات ہے۔'' شیخ صاحب فوراً بولے۔

''اور میں بھابھی صاحبہ سے بھی معلوم کر لوں۔''

اب انھوں نے بیگم جمشید کے نمبر ملائے ... سلسلہ ملنے پر بولے۔

''السلام علیکم بھابھی صاحبہ! کیا آپ کو ان کے آنے کے سلسلے
میں ان کا فون ملا تھا۔''

''نہیں ... بالکل کوئی اطلاع نہیں ملی ... اور یہ بات ان کے
اصول کے بالکل خلاف ہے ... وہاں سے چلتے وقت ضرور فون کرتے۔''

''یہی بات میں کہتا ہوں ... اچھا بھابھی ... شکریہ، اور آپ فکر
نہ کریں ... ہم ان شاء اللہ انھیں ساتھ لے کر ہی آئیں گے۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' انھوں نے فوراً کہا۔

فون بند کر کے وہ صدر صاحب سے بولے:

''ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی ... اور یہ ان کے
اصول کے خلاف ہے ... اس کا مطلب ہے ... انھیں ان کی مرضی کے
مطابق اس جہاز پر سوار نہیں کرایا گیا۔''

'' تب پھر وہ ہمارے ایئر پورٹ پر اتر کر کیوں کچھ نہ کر سکے ...
یہاں تو انھیں مواقع حاصل تھے ... جہاز سے اترتے ہی ایئر پورٹ کے
منیجر صاحب کو صورتِ حال بتا سکتے تھے ... خود بھی کچھ کر سکتے تھے ...
اس کا مطلب ہے ... وہ یہاں بے بسی کی حالت میں تھے۔''

'' ایک منٹ !'' انسپکٹر کامران مرزا نے ہاتھ اٹھا کر کہا ... پھر
ایئر پورٹ کے منیجر خاشف کا نمبر ڈائل کیا ... ان کی آواز سنتے ہی
بولے۔

'' خاشف صاحب ! انسپکٹر کامران مرزا بات کر رہا ہوں ... جب
انسپکٹر جمشید پارٹی جہاز سے اتری ... ان کی حالت کیسی تھی ... وہ اپنے
پیروں پر خود چل رہے تھے یا عملے نے انھیں سہارا دیا تھا ... جیسے ان کی
طبیعت خراب ہو گئی ہو۔''

'' وہ اپنے پیروں پر چل کر ایئر پورٹ سے باہر گئے تھے
... اور باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے ... اس کے بعد گاڑی انھیں
لے گئی تھی۔''

'' شکریہ !'' انھوں نے کہا اور اور موبائل بند کر دیا۔

'' معاملہ حد درجے الجھا ہوا ہے ... اگر وہ اپنے پیروں پر چل کر
ایئر پورٹ سے باہر آئے تھے اور اس گاڑی میں بیٹھے تھے تو اس کا

مطلب ہے ... ان کے دماغ ان کے قابو میں نہیں تھے۔''

'' یہی کہا جا سکتا ہے ... ہو سکتا ہے ... ریاست کے ایرپورٹ پر
انھیں کوئی انجکشن وغیرہ لگایا گیا ... بہرحال میں محسوس کر رہا ہوں کہ ...
اس معاملے کا تعلق ریاست سے ہے ... ریاست سے یہ لوگ عام
حالات میں رخصت نہیں ہوئے ... خاص حالات میں ہوئے ہیں بلکہ
انھیں رخصت کیا گیا ہے ... اگر یہ لوگ اپنے ہوش حواس میں ہوتے تو
روانہ ہونے سے پہلے گھر اور دفتر فون کرتے ... ایئر پورٹ پر گاڑی
لانے کے لیے فون کرتے ... اس لیے اب ہم پہلے ریاست کے نواب
صاحب سے بات کریں گے ... ہو سکتا ہے ... وہ اس سلسلے میں ہماری
مدد کر سکیں ... صدرِ محترم! آپ بات کریں۔'' انسپکٹر کامران مرزا یہاں
تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

'' لیکن بھئی میں بھلا کس طرح سے بات کروں ... یہ کام تم
لوگوں کا ہے ... میرا نہیں۔''

'' خیر ! آپ صرف اتنا کریں کہ فون پر ان سے رابطہ کریں اور
ان سے کہیں ... انسپکٹر کامران مرزا ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

'' اچھی بات ہے۔''

اب صدر صاحب نے ریاست کے نواب احتشام کو نمبر ڈائل کیا

... سلسلہ فوراً ہی مل گیا۔

’’السلام علیکم نواب صاحب ... کیا حال ہے۔‘‘

اللہ کا شکر ہے صدر محترم ! آپ سنائیں۔‘‘

’’یہ انسپکٹر کامران مرزا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’جی ... لیکن کس سلسلے میں۔‘‘

’’انسپکٹر جمشید صاحب اوران کے ساتھیوں کی گم شدگی کے سلسلے میں۔‘‘

’’جی اچھا ... کرایئے بات۔‘‘

’’یہ لیں کامران مرزا۔‘‘ انھوں نے موبائل انھیں تھمادیا۔

’’السلام علیکم نواب صاحب ... انسپکٹر کامران مرزا بات کر رہا ہوں... یہ بات تو آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ انسپکٹر جمشید پارٹی غائب ہے۔‘‘

’’آپ لوگوں سے معلوم ہوئی ہے۔‘‘

’’جی ہاں ! یہی بات ہے ... ہم آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ انسپکٹر جمشید پارٹی وقت سے پہلے کیوں واپس آگئی۔‘‘

’’اس مرتبہ ان کا یہاں دل نہیں لگ رہا تھا... بس یہ وجہ تھی۔‘‘

’’شکریہ ! آپ نے انھیں طیارے کے ذریعے ادھر بھجوایا ... وہ

ادھر ایئر پورٹ پر اترے ... لیکن ریاست سے روانہ ہونے سے پہلے انھوں نے نہ تو گھر فون کیا نہ دفتر... نہ کسی سے گاڑی لے کر ایئر پورٹ پر پہنچنے کا کہا ... یہ ان کے اصول کے ہی خلاف ہے ... لہٰذا مہربانی فرما کر بتادیں ... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی کہاں ہیں۔‘‘

’’کمال ہے ... حیرت ہے ... آپ یہ بات مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں۔‘‘

’’ہاں ! ہم مجبور ہیں۔‘‘

’’انسپکٹر جمشیداور ان کے ساتھیوں کو آپ کی طرف بھیجا جا چکا ہے ... اس طرف اترنے کے بعد کیا ہوا، یہ میں نہیں جانتا ... آپ خود معلوم کریں۔‘‘

’’اچھی بات ہے ... کیا ہم آپ کی ریاست میں آسکتے ہیں۔‘‘

’’ضرور کیوں نہیں ... ضرور تشریف لائیں۔‘‘

’’اچھی بات ہے نواب صاحب ... ہم لوگ آرہے ہیں ... ہم ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے آئیں گے ... ہیلی کاپٹر وہیں رہے گا ... جب تک کہ ہم اپنا کام نہ کرلیں۔‘‘

’’اپنا کام ... کیا مطلب ... آپ یہاں کام کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’ہمارے ساتھیوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا... ہم یہ سمجھنے پر مجبور

ہیں کہ یہاں انھیں کوئی مسئلہ پیش آیا تھا ... جس کی بنا پر انھوں نے واپسی
کی ٹھانی ... لیکن وہ مسئلہ بھی ان کے ساتھ یہاں چلا آیا ... ہم وہیں
سے اس کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔''

''آپ لوگ تشریف لے آئیں ... مجھے کوئی اعتراض نہیں ، میں تو
خود فکر مند ہوں کہ آخر وہ لوگ کہاں چلے گئے۔''

''جی ہاں! بہت پریشانی کی بات ہے ... بہرحال ہم آرہے
ہیں۔''

''میری ریاست کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہیں۔''

''شکریہ نواب صاحب۔'' انھوں نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔

''ہمیں ریاست جانا ہو گا ... آپ ہمارے لیے ہیلی کاپٹر کا
انتظام کر دیں ... ہیلی کاپٹر وہیں ٹھہرے گا ... اس کی نگرانی کے لیے بھی
ہمیں یہیں سے چند ساتھی ساتھ لے کر جانا ہوں گے ... وہ ہیلی کاپٹر
میں موجود رہیں گے ... حکومت کی طرف سے نواب صاحب کو پابند کیا
جائے کہ وہ ہمیں ہیلی کاپٹر میں بھیجنے کے پابند ہوں گے۔''

''اچھی بات ہے ... ہم یہ انتظام ابھی کر لیتے ہیں۔'' آئی جی
صاحب نے کہا ... پھر وہ جلدی سے بولے۔

''لیکن اس طرح تو بہت دیر ہوتی جا رہی ہے ... اور ہم ان

لوگوں کے لیے بہت بے چین ہیں۔''

''اس سے بھی پہلے انکل اکرام اور ان کے ساتھیوں کا بھی کچھ
کرنا ہوگا۔''

''ارے باپ رے ... انھیں تو ہم بھول ہی گئے ... آؤ اٹھو۔''

''لیکن کہاں ؟''

''ایئر پورٹ۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا اور باہر کی
طرف دوڑ پڑے ...

''اب وہ ایک بڑی گاڑی میں ایئر پورٹ روانہ ہوئے۔

''آخر کیا بات ذہن میں آئی ہے جمشید۔''

''سر! ہم نے وہاں سے ایر پورٹ عملے کے ایک شخص شاص کو
اکرام اور اس کے ماتحتوں کے ساتھ کمرۂ امتحان کی طرف روانہ کیا
تھا ... شاص سے یہ بات اگلوائی تھی کہ ایئر پورٹ سے کون لوگ انسپکٹر
جمشید اور ان کے ساتھیوں کو لے گئے ہیں ... لیکن سب انسپکٹر اکرام
اس شخص کو لے کر کمرۂ امتحان تک نہیں پہنچا ... انھیں بھی راستے سے ہی
غائب کر دیا گیا۔''

''ارے باپ رے ... یہ معاملہ تو ہر لمحے تیز تر ہوتا جا رہا ہے
... ہم لوگ پہلے اکرام اور اس کے ساتھیوں کا سراغ کیوں نہ لگائیں ...

اس بات کا بھی تو امکان ہے کہ جہاں اکرام اور اس کے ساتھی ہوں ، وہیں انسپکٹر جمشید پارٹی مل جائے اور ہمیں ریاست جانا ہی نہ پڑے ۔''

''واقعی ... یہ بات ہو سکتی ہے ۔'' آئی جی صاحب بولے ۔

''تب پھر اکرام شاص کو لے کر ایر پورٹ سے روانہ ہوا تھا ، ہمیں وہاں سے لے کر امتحان گاہ کے مرکز تک کے راستہ کا جائزہ لینا ہو گا ... یہ پورا راستہ مصروف ترین ہے ... آخر اس راستے سے انھیں کس طرح اغوا کیا جا سکتا ہے ... یہ ایک حیرت انگیز ترین بات ہے ... لہٰذا پہلے ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا... آپ ہمیں اجازت دیں ... یہ کام اب ہمارا ہے ... آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ۔''

''اچھی بات ہے کامران مرزا ۔'' آئی جی صاحب بولے ۔

اور پھر وہ دفتر کی گاڑی میں وہاں سے روانہ ہوئے ... پہلے سیدھے ایئر پورٹ پر آئے ... انھوں نے منیجر خاشف کو فون کیا ... سلسلہ ملنے پر وہ بولے ۔

''آپ اس وقت کہاں ہیں ۔''

''میں اپنے گھر ہوں ... میری ڈیوٹی کا وقت ختم ہو چکا ہے ۔''

''اچھی بات ہے ... ہم آپ سے آپ کے گھر میں مل لیتے ہیں ۔''

''کیا اور کوئی بات پیش آ گئی ۔''

''اور تو نہیں آئی ... آپ کے ماتحت شاص کا تو سراغ لگانا ہے ... نہ جانے اس بے چارے کو کہاں لے جایا گیا ۔''

''ٹھیک ہے ... آپ 119 نواس روڈ پر آجائیں ۔'' اس نے کہا ۔

''جی بہتر !''

جونہی وہ 119 نواس روڈ پر پہنچے ، انھیں ایک زور دار جھٹکا لگا ... مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھیل گئیں ۔

☆☆☆☆☆

بلیک میلر

ایئر پورٹ کے منیجر کے گھر کا گیٹ بند تھا اور اس پر ایک بڑا سا
تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا... عین اس لمحے ان کے موبائل کی گھنٹی
بجی... انھوں نے دیکھا... فون خاشف کا تھا۔

''انسپکٹر صاحب! میں بھی انھی لوگوں کے قبضے میں ہوں جنھوں نے
انسپکٹر اکرام اور ان کے ماتحتوں کو اغوا کیا ہے... مہربانی فرما کر جلد از
جلد ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں... ورنہ یہ لوگ ہمیں جان سے مار دیں
گے... آپ کو فون کرنے کے قابل اس لیے ہو گیا ہوں کہ تلاشی لیتے
ہوئے یہ لوگ میرے موبائل تک نہیں پہنچ سکے تھے... وہ ایک خاص
جیب میں تھا اور اسی بنا پر میں فون کرنے کے قابل ہوا ہوں۔''

''آپ کہاں ہیں۔''

''میں بھی اور آپ لوگوں کے ساتھی بھی کسی نامعلوم عمارت میں
ہیں... مجھے کچھ اندازہ نہیں۔''

''پھر آپ اپنا موبائل آن رکھیں... ہم آپ کی سم کے ذریعے
آپ تک پہنچ جائیں گے۔''

''اچھی بات ہے۔''

انھوں نے پھر آئی جی صاحب کو فون کیا... نئی صورت حال
انھیں بتائی... وہ فوراً ہی چند ماہرین کے ساتھ وہاں پہنچ گئے... انھوں
نے جلد ہی سم کی سمت معلوم کر لی... پھر وہ اس سمت میں روانہ ہوئے
اور کچھ دیر بعد وہ شہر سے باہر ایک گھنے جنگل میں تھے... اس جنگل
میں کہیں وہ سم موجود تھی۔

''یہاں تو آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔''

''لیکن سم یہیں موجود ہے... میں سم کی سیدھ میں جاتا ہوں۔''

ایک ماہر نے کہا اور آگے بڑھنے لگا... سب لوگ اس کے پیچھے چل
پڑے... پھر انھیں ایک جھٹکا لگا... ایک درخت کے نیچے موبائل
پڑا ہوا تھا۔

''مجرم ہمیں چڑا رہا ہے... یا یوں کہہ لیں تگنی کا ناچ نچا رہا ہے
لیکن وہ مجرم ہے... اس سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہو گی... اور کیا
پتا یہاں اس سے غلطی ہو گئی ہو... اس موبائل میں وہ سم موجود ہے
اس موبائل پر انگلیوں کے نشانات بھی ہو سکتے ہیں۔''

''ابھی دیکھ لیتے ہیں ۔''

آفتاب ،آصف اور فرحت حرکت میں آگئے ... ان کے ساتھ فنگر پرنٹ کا عملہ نہیں تھا ... لیکن اس قسم کے بہت سے کام وہ خود بھی کر لیتے تھے ... جلد ہی فرحت کی آواز سنائی دی ۔

''موبائل پر انگلیوں کے نشانات نہیں ہیں ۔''

''اندازہ بھی یہی تھا ... خیر کوئی بات نہیں ... بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ۔''

''تو کیا ... مسٹر خاشف بھی مجرموں کے ساتھی ہیں ۔''

''ہاں بالکل ... اسی لیے تو اس قدر آسانی سے ان لوگوں کو اغوا کر لیا گیا ہے ... راستے میں ہی اکرام اور اس کے ساتھیوں کو بے ہوش کر دیا گیا ہو گا ...''

''لیکن انکل ! گاڑی تو ہمارے اپنے محکمے کی تھی ... ڈرائیور بھی محکمے کا تھا ... اور ڈرائیور کی مدد کے بغیر یہ کام ہو نہیں سکتا ۔''

''یہی بات مجھے چونکا رہی ہے ... آخر اس کیس میں کتنے لوگ شامل ہیں ...''

''اللہ اپنا رحم فرمائے ۔''

''آؤ چلیں ۔''

دفتر میں آئی جی صاحب انھیں اپنے کمرے میں لے آئے ... سب کے چہروں پر پریشانی تھی ... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

''میرا خیال ہے ... ہمیں ریاست میں جانا ہی ہوگا ... جو کچھ ہوا ہے ، ریاست میں ہوا ہے ۔''

''لیکن انسپکٹر جمشید وغیرہ یہاں ہیں ... تو ہم وہاں کیا کریں گے ۔'' شیخ صاحب بولے ۔

''خیر پہلے ہم یہیں ان تک پہنچنے کی کوشش کر لیتے ہیں ... اس وقت ہمارے پاس مجرم کی ایک سم ہے اور بس ... پہلے یہ دیکھ لیا ہے ... سم ہے کس کے نام ۔''

یہ کہہ کر انھوں نے اس غرض کے لیے خاص کیا گیا نمبر ملایا ... فوراً ہی اسکرین پر خاشف کا نام نظر آیا ...

''اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ایئر پورٹ کا منیجر اس معاملے میں شریک ہے ،اور اس لیے انھیں اتنی آسانی سے غائب کیا گیا ... کیونکہ انسپکٹر جمشید ایئر پورٹ کے منیجر کی وجہ سے کوئی شک نہیں کر سکے ... اور چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئے ...''

''ضرور یہی ہوا ہے ... سوال تو یہ ہے کہ ہم کیا کریں ۔'' آئی جی صاحب نے پریشان ہو کر کہا ۔

"فرحت کیا آج تمھارا دماغ بھی سو رہا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی نہیں انکل ... دراصل ہم لوگ اپنے ساتھیوں کے لیے پریشان ہیں۔"

"اور ہم پریشان ہو کر کیا کر لیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ... پریشان ہونے سے کام نہیں چلے گا ... کام تو کرنے سے ہو گا ... اب جب کہ ہمیں پتا چل گیا ہے کہ منیجر خاشف بھی مجرموں کا ساتھی ہے تو اس شہر میں اس کا گھر تو موجود ہے ... ہمیں اس کے گھر کا جائزہ لینا ہوگا ... شاید ہمیں کوئی کام کی چیز مل جائے ... ایئر پورٹ کا منیجر کوئی چھوٹا افسر نہیں ہوتا ..."

"ہوں ٹھیک ہے ... چلتے ہیں۔" آئی جی صاحب بولے۔

"فرحت نے ٹھیک کہا ... دراصل ہوا یہ تھا کہ جونہی ہم خاشف کے دروازے پر پہنچے تو خاشف کا فون آ گیا تھا اور ہم سم کی سمت میں روانہ ہو گئے تھے ... اس وقت ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس گھر کو بھی اندر سے دیکھنا چاہیے... اب جب کہ ہم ان کی تلاش میں ناکام رہے ہیں تو اس بات کا خیال آیا ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں دیر آیا درست آیا۔" فرحت مسکرائی۔

اب ان کی گاڑی خاشف کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئی ... وہاں تالا جوں کا توں لگا ہوا تھا ... انسپکٹر کامران مرزا نے تالا کھولنے کا حکم دیا ... تین منٹ کی کوشش کے بعد تالا کھل گیا ... اور وہ اندر داخل ہوئے۔

"ہمیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا ... اندر ہمارے لیے خطرہ ہو سکتا ہے ... کیونکہ اس کیس میں نہ جانے کتنے لوگ شامل ہیں۔"

"ٹھیک ہے انکل۔" آصف نے فوراً کہا۔

اب وہ آگے بڑھے ... کوٹھی بہت بڑی تھی ... اس کے چاروں طرف ایک بڑا باغ تھا ... اس میں پھولوں کے پودے تو تھے ہی ... پھلوں کے درخت بھی تھے ... اور ان درختوں میں گھر کوٹھی کی عمارت تھی ... وہ بھی کافی طویل و عریض تھی ... وہ آگے بڑھے ... یہاں بھی تالا لگا تھا ... اسے بھی کھولا گیا اور وہ اندر داخل ہوئے ... انھوں نے تمام کمرے دیکھ ڈالے ... ایک کمرے میں پہنچ کر فرحت پریشان ہو گئی ... اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے ... اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ کہتا ... اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا ...

"ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔"

یہ اشارہ سمجھتے ہی آصف بول اٹھا۔

''لگتا ہے ... یہاں کوئی نہیں ... کوٹھی کو کافی تیزی سے چھوڑا گیا ہے ... تمام سامان جوں کا توں پڑا ہے۔''

''چلو اچھا ہے ... ہماری عیش ہو گئی ...'' آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

''عیش کیسے ہو گئی۔'' آصف نے جھلا کر کہا۔

''ایسے کہ بیٹھے بٹھائے ایک اتنی بڑی کوٹھی ہاتھ آ گئی۔'' آفتاب نے اسے گھورا۔

''بیٹھے بٹھائے خیر نہیں ... ہم میں سے تو کوئی بھی نہیں بیٹھا ہوا۔''

''حد ہو گئی ... آپ نے سنا ابا جان۔'' آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

''ہاں سنا ... اب کیا میں سنوں بھی نہ۔''

''پہلے ہمیں چاہیے ... پوری کوٹھی کو ایک نظر ڈال لیں۔''

''اچھی بات ہے۔''

انھوں نے پوری کوٹھی کا بغور جائزہ لیا ... لیکن کہیں کوئی نظر نہ آیا۔

''کیا خیال ہے فرحت؟''

''یہاں کوئی نہیں ہے ... چلتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

اور پھر وہ سب کوٹھی سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے ... ڈرائیور گاڑی پہلے اسٹارٹ کر چکا تھا ... اس نے کہا۔

''کہاں سر۔''

''جنگل میں جو کھنڈر نظر آیا تھا ... ہم وہاں ... جانا چاہتے ہیں ... لگتا ہے، ہم کوئی بات بھول رہے ہیں۔''

''اوہو اچھا ... تو غور کرو جلدی۔''

''وہ بات جنگل میں ہی یاد آئے گی شاید۔''

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے ... کافی دور جا کر انھوں نے گاڑی ایک پارک کے باہر روک دی ... سب لوگ گاڑی سے اتر کر پارک میں آ گئے ... پارک کے ایک کونے میں بیٹھنے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا بولے:

''سر! پہلے تو کچھ خاص ماتحتوں کو خاشف کی کوٹھی کی بہت ہی خفیہ نگرانی شروع کرا دیں ... لیکن یہ اس قدر خفیہ ہو کسی کو سن گن تک نہ ہو...''

''آخر آپ لوگوں نے کیا محسوس کیا ہے۔'' ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''کوٹھی میں کوئی ہے... کہاں ہے... یہ ہمیں دیکھنا ہوگا... ویسے لگتا ہے... اس میں کوئی خفیہ جگہ ہے... ہو سکتا ہے... تہ خانہ ہو... بہرحال ہم یہ باتیں کوٹھی میں نہیں کر سکتے تھے... مجرم لوگ سن سکتے تھے... ظاہر ہے، جن لوگوں نے چھپنے کے اتنے انتظامات کیے ہوئے ہیں، انھوں نے ہونے والی بات چیت سننے کا انتظام کر رکھا ہوگا... اور ظاہر ہے، وہاں سے نکل بھاگنے کا بھی کوئی راستہ ہوگا... لہذا ہماری بات چیت سنتے ہی یہ لوگ وہاں سے بھاگ نکلتے... اب ہم انھیں بے خبری میں جا دبوچیں گے۔''

''بہت خوب! یہی وہ باتیں ہیں... جو دوسرے پولیس آفیسرز میں نہیں... اور اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے تم لوگوں کو حیرت انگیز کامیابیاں ملتی ہیں۔''

''شکریہ سر!''

اور پھر رات کے ایک بجے وہ خاشف کی کوٹھی کے پاس پہنچ گئے... اندر داخل ہونے کا راستہ وہ پہلے ہی دیکھ چکے تھے اور آج یہاں آفتاب کو کردار ادا کرنا تھا... اسے پائپ کے ذریعے چھت تک پہنچنا تھا اور ان کے لیے دروازہ کھولنا تھا... پندرہ منٹ بعد اس نے بیرونی گیٹ کھول دیا... کوٹھی کے اندرونی حصے کے پائپ تک جانے کے لیے اسے بیرونی دیوار پر چڑھنا پڑا تھا اور پھر انسپکٹر کامران مرزا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے لٹکایا تھا... اس طرح وہ باغ کی گھاس پر گرا تھا... اور کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی... اس طرح وہ ان کے لیے بیرونی اور اندرونی دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوا تھا... اب وہ سب دبے پاؤں آگے بڑھ رہے تھے... ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے... انھوں نے ایک ایک کر کے کمرے دیکھنے شروع کیے... پھر ایک کمرے سے انھیں باتیں کرنے کی آواز سنائی دی... ان کی آنکھیں چمک اٹھیں... وہ زمین پر لیٹ گئے اور سینے کے بل رینگتے ہوئے اس کمرے کے دروازے تک پہنچے... دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا... جھری میں سے انھوں نے بار بار اندر جھانکا... تو مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھیل گئیں... اندر کوئی دس کے قریب لوگ موجود تھے... جھری میں سے انھیں خاشف اور شاص دکھائی دے گئے... باقی لوگ دروازے کی اوٹ میں تھے... انھوں نے اندر ہونے والی بات چیت پر کان لگا دیے۔

''جب تک ہمیں مزید ہدایات نہیں مل جاتیں... ہم کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہیں... انسپکٹر کامران مرزا نہ آگئے ہوتے تو اور

بات تھی ، لیکن اب تو ہمیں ہر قدم پھونک پھونک اٹھانا ہوگا ۔'' یہ آواز خاشف کی تھی ۔

''ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ معاملہ ہم پر آ گرے گا ...''

''دراصل پلاننگ سمجھ کر نہیں کی گئی ... بہت جلدی میں قدم اٹھایا گیا۔'' ایک آواز آئی ۔

''اس بات کو چھوڑیں ... جو ہونا تھا ہو چکا... اب تو یہ سوچنا ہے کہ ہم کیسے نکلیں گے ۔''

''یہ بھی وہی سوچیں گے ... جنھوں نے ہمیں اس معاملے پر الجھایا ہے ۔''

اب وہ کافی باتیں سن چکے تھے ... اس لیے انسپکٹر کامران مرزا نے دروازے پر ہلکی سی آواز پیدا کی ... اپنے سب ساتھیوں کو انھوں نے پہلے ہی پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا تھا ... ان کی پیدا کردہ آواز سنتے ہی کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔

''یہ ... یہ کیسی آواز تھی ۔''

''ہوگی کوئی بلی وِلی ... یہاں بلی آتی ہے ۔''

''میں دیکھتا ہوں ۔'' ایک اور آواز ابھری ... وہ فوراً تاریکی میں رینگ گئے ... باقی لوگ پہلے ہی پوزیشن سنبھال چکے تھے۔

ان میں سے ایک باہر نکلا ،اس نے دائیں دیکھا ،بائیں دیکھا ... اور پھر کمرے سے نکل کر تیر کی طرح آگے بڑھا ،بس اسی وقت اس کی گردن انسپکٹر کامران مرزا کی گرفت میں آ گئی ... انھوں نے اس طرح اس کی گردن دبوچی تھی کہ اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی ۔

''ہائیں ... طاری کہاں چلا گیا ... واپس کیوں نہیں آیا ۔''

اب ایک اور باہر نکلا ... وہ بھی ان کے قابو میں آ گیا ... اسی طرح تیسرا نکلا ... اس کے بعد اندر خوف پھیل گیا ... ایک کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی :

''یہ ... یہ کیا ... یہ تو ایک ایک کر کے ہمارے ساتھی غائب ہو تے جا رہے ہیں ۔''

''ٹھہرو !یوں بات نہیں بنے گی ... باہر ضرور کوئی گڑبڑ ہے ۔''

اس کے ساتھ ہی دروازے سے فائرنگ شروع ہو گئی ... وہ سب پہلے ہی پوزیشن لیے ہوئے تھے ... اس وقت تک جو تین آدمی ان کے ذریعے بے ہوش ہوئے تھے ... وہ بھی تاریکی میں بے سدھ پڑے تھے، لہٰذا اس فائرنگ سے ان کا کچھ بھی نہ بگڑا... انھوں نے جوابی فائرنگ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی ... بس اپنی اپنی جگہوں پر دبکے رہے ... جب اندر والوں کو جواب نہ ملا تو بے تحاشہ فائرنگ کرتے

ہوئے باہر نکل آئے ... یہی وہ وقت تھا جب ان کے پستولوں کا نشانہ لے کر انھوں نے فائر کر دیے ... آن کی آن میں وہ خالی ہاتھ ہکا بکا کھڑے نظر آئے۔

''ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو! اور یہ بتاؤ ... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی کہاں ہیں۔''

☆☆☆☆☆

خبردار

خوف کے عالم میں ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے ...اس وقت انھوں نے دیکھا، خاشف اور شاص 9 پانچ دوسرے لوگوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

''مسٹر خاشف! اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کی گم شدگی میں تمھارا اور تمھارے ان ساتھیوں کا ہاتھ ہے ... ریاست کا طیارہ انھیں لے آیا تھا ... وہ جہاز سے اترے تو تم نے انھیں اس گاڑی میں سوار کرا دیا ... جسے تمھارے اپنے آدمی کو چلانا تھا ... اس سلسلے میں ظاہر ہے شاص بھی تمھارا ساتھی ہے ... گاڑی میں انھیں بے ہوش کرنے کا انتظام پہلے سے کر لیا گیا تھا ...اس لیے وہ کچھ بھی نہ کر سکے ... اب تم فوراً بتا دو ... وہ کہاں ہیں ...''

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا ... بس ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھتے رہے ...یوں لگ رہا تھا جیسے وہ عقل اور ہوش سے بالکل خالی ہوں۔

’’تم لوگوں نے سنا نہیں۔‘‘

’’نہیں ... ہم بہرے ہیں ...‘‘ خاشف کی سرسراتی آواز سنائی دی۔

’’کیا مطلب ... یعنی تم کچھ نہیں بتاؤ گے۔‘‘

’’ہمیں جتنا حکم ملا تھا ... ہم نے اتنا کیا ... اب وہ لوگ کہاں ہیں، ہم نہیں جانتے ... سچ تو یہی ہے ...اب آپ جو کچھ بھی کریں گے ... ہم پر جو بھی بیتے گی ... بیتے گی ... لیکن ہم بتائیں گے تو تب نا ... جب ہمیں کچھ معلوم ہوگا ... جن لوگوں کے ذمے یہ کام لگایا گیا ہے ... وہ لوگ کچے نہیں ہیں ... کچا کام کرنے والوں میں سے نہیں ہیں ... میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ اگر آپ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کا سراغ لگانا چاہتے ہیں ... ان تک پہنچنا چاہتے ہیں تو ہم سے کوئی امید نہ رکھیں ...اپنی عقل پر زور دے کر فوراً حرکت میں آجائیں ... ورنہ ہوسکتا ہے ... آپ کبھی ان تک نہ پہنچ سکیں ... کیونکہ جہاں تک میرا اندازہ ہے ... ان لوگوں نے انھیں فوری طور پر ملک سے پار کرنے کی کوشش کی ہوگی ... اب یہ دیکھنا آپ کا کام ہے کہ وہ کس راستے سے انھیں ملک سے پار لے جائیں گے ...میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں ... آپ جتنی دیر لگائیں گے ... اتنا ہی وہ لوگ دور ہوتے جائیں

گے ... آگے آپ کی مرضی ... ہمیں یہاں سے کمرۂ امتحان میں لے جائیں ... ہمارے ساتھ جو کرنا ہے کرلیں ... لیکن ہمارے پاس بتانے کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔‘‘

یہاں تک کہہ کر خاشف خاموش ہوگیا ... انسپکٹر کامران مرزا اور باقی لوگ اس دوران اس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے تھے ... اس کے خاموش ہوتے ہی وہ بولے۔

’’اس میں تو مجھے کوئی شک نہیں کہ تم اس وقت سچ بول رہے ہو ... اور دیر لگانا واقعی نقصان دہ ثابت ہوگا ... لیکن چند سوالات تو ہمیں تم لوگوں سے پوچھنا ہوں گے ... کیا تم سوالات کے جوابات دینے کے لیے تیار ہو۔‘‘

’’آپ ہمارے ساتھ کچھ نرم سلوک کا وعدہ کریں ... ہماری سزا میں کمی کا وعدہ کریں تو ایسا ہوسکتا ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے ... میں وعدہ کرتا ہوں۔‘‘

’’پوچھیں ... کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’ان کا طیارہ ریاست سے آنے والا تھا ... آپ کو کیا ہدایات دی گئیں تھیں۔‘‘

’’بس یہی کہ انھیں لینے کے لیے گاڑی آرہی ہے ... بس اس

میں انہیں بٹھادیا جائے ... اور اس کے بعد اس معاملے کو بھول جائیں۔''

''یہ حکم دینے والا کون تھا ... آپ تو سرکاری ملازم ہیں ... اپنے آفیسر کے احکامات ماننے کے پابند ہیں یا دوسروں کے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بنایا۔

''ہم سرکاری ملازم ضرور ہیں ... لیکن ساتھ میں ہماری باگ ڈور نامعلوم طاقت کے ہاتھ میں بھی ہے ... اور دراصل میں تو ہم ان کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔''

''کیا مطلب ... تم تنخواہ ملک سے لیتے ہو ... اور احکامات مانتے ہو ملک دشمنوں کے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

''ہم مجبور ہیں ... اس طاقت کے ہاتھ میں ہم بے بس ہیں ... اس کے احکامات نہ مانیں تو وہ ہمیں فوراً جیل بھجوادے ... ہم پر غداری کا مقدمہ چلوادے ... اس کے پاس ہمارے خلاف ایسے ثبوت موجود ہیں۔''

''تو کیا آپ کے کچھ ایسے جرائم ہیں۔''

''جی ... جی ہاں ... ہم نے کچھ ایسے جرائم کیے تھے ... بلکہ شاید ہم سے جان بوجھ کر وہ جرائم کرائے گئے تھے تاکہ بعد میں ہمیں

بلیک میل کیا جاسکے ...اور اب ہم پوری طرح اس طاقت کے قبضے میں ہیں۔''

''خیر! اس طاقت کا سراغ ہم پھر لگائیں گے ... اس وقت ہمارا مسئلہ انسپکٹر جمشید پارٹی تک پہنچنے کا ہے۔''

اب آئی جی صاحب نے اپنے ماتحتوں کو ان کے بارے میں ہدایات دیں اور پھر وہ انسپکٹر کامران مرزا اور تینوں بچوں کے ساتھ باہر نکل آئے۔

''ہاں کامران مرزا... کہاں چلنا ہے۔''

''میرا خیال ہے سر ... آپ تو دفتر چلیں ... یہ کام ہم کرلیں گے ... کوئی کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوئی تو ہم آپ کو فون کردیں گے۔''

''نہیں بھئی ... یہ معاملہ انسپکٹر جمشید پارٹی کا ہے ... میں ساتھ چلوں گا ...''

''اچھی بات ہے ... ان لوگوں کو ہوائی جہاز یا سڑک کے ذریعے تو ملک سے باہر لے جایا نہیں جاسکتا ... لہذا کسی بحری جہاز کے ذریعے لے جایا جائے گا ... آپ پہلے یہ معلوم کریں گذشتہ آٹھ گھنٹے کے اندر اندر بندرگاہ سے کوئی مال بردار جہاز تو روانہ نہیں ہوا ... یا کوئی جہاز جانے والا تو نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے۔''

اب آئی جی صاحب نے بندرگاہ کے منیجر سے رابطہ کیا ... ادھر سے بتایا گیا کہ صبح سے اس وقت تک کوئی بحری جہاز روانہ نہیں ہوا... البتہ ایک جہاز کسی وقت روانہ ہو گا ... اس پر سامان کی آخری قسط لوڈ کرائی جارہی ہے۔''

''بس ٹھیک ہے ... مہربانی فرما کر ابھی اسے نہ جانے دیں ... ایک اہم تفتیش درمیان میں آگئی ہے ... ہم آرہے ہیں اور یہ بات کسی کو بتائیں بھی نہ...''

''بہت بہتر شیخ صاحب۔''

وہ فوری طور پر بندرگاہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

''کیا منیجر صاحب قابل اعتماد ہیں۔''

''ہاں! بہت محبِ وطن ہیں ... وہ کسی سے ذکر نہیں کریں گے ... بے فکر رہیں۔'' انھوں نے جواب دیا۔

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے بندرگاہ پہنچ گئے۔ بندرگاہ کے منیجر کا نام ایاز بخاری تھا ... انھوں نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

''اس وقت تک انسپکٹر جمشید پارٹی کو غائب ہوئے دس گھنٹے ہو چکے تھے ... اسی حساب سے انسپکٹر کامران مرزا نے ایاز بخاری سے کہا۔

''تو کیا یہ جہاز دس گھنٹے پہلے بھی یہیں تھا۔''

''جی ہاں! اس پر تین دن پہلے سے سامان لادا جارہا ہے۔''

''خوب! آج دس گھنٹے کے دوران جو سامان لادا گیا ہے ... ہم بس اسے چیک کریں گے۔''

''کیا آپ مجھے بات نہیں بتائیں گے، شاید میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں۔''

''انسپکٹر جمشید پارٹی ریاست گئی ہوئی تھی ... وہاں نہ جانے کیا ہوا، وہ سیر کے دن پورے ہونے سے پہلے ہی ایک پرائیویٹ طیارے کے ذریعے آج واپس پہنچ گئی ... انھوں نے اپنی آمد کی اطلاع بھی نہیں دی ... ایئر پورٹ سے انھیں ایک گاڑی لے گئی ... ایئر پورٹ کے کچھ لوگوں نے انھیں گاڑی پر سوار کرایا تھا ... بس وہ گاڑی سمیت غائب ہیں ... گاڑی کا انتظام ایئر پورٹ کے منیجر خاشف نے کیا تھا ... گاڑی میں بٹھانے کے سلسلے میں مدد شاس نامی شخص نے کی تھی ... ان دونوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ کسی نامعلوم طاقت کے لیے کام کرتے ہیں، وہ اس کے احکامات ماننے پر مجبور ہیں ... کیونکہ وہ طاقت انھیں بلیک میل کرتی

ہے ...ان دونوں نے ہی یہ بتایا کہ انسپکٹر جمشید پارٹی کو جلد از جلد ملک
سے باہر لے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے ... اب ظاہر ہے وہ
ایئر پورٹ کے راستے تو جا نہیں سکتے ... نہ سڑک کے راستے جا سکتے ہیں
...رہ گیا بحری راستہ ... امکان اسی راستے کا بنتا ہے ... کیونکہ سامان
کے بڑے بڑے بکس جہاز پر لوڈ کیے جاتے ہیں ... ان میں ان لوگوں کو
چیک کیا جا سکتا ہے ... آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں ۔''

''میں آپ کی تائید کرتا ہوں ...اور دس گھنٹے کے اندر اندر جو
سامان لوڈ کیا گیا ہے ... اسے آپ چیک کریں ... میں بھی ساتھ رہوں
گا ... تاکہ کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور آپ اپنا کام جلد مکمل
کر لیں ۔''

''شکریہ ! کیا ان دس گھنٹوں کے دوران اتنے بڑے بکس بھی لوڈ
کیے گئے ہیں ...جس میں چھ آدمی آسکیں ۔''

''ہاں کیوں نہیں ... بہت بڑے بکس لوڈ کرائے گئے ہیں ۔''

''بس ہم انھی کو کھول کر دیکھ لیں گے ... ان میں نہ مل سکے تو
پھر تفصیلی تلاشی لی جائے گی ... اس جہاز کی روانگی کیا ہے ۔''

''آج شام ... لیکن آپ فکر نہ کریں ... روانگی لیٹ کر دی
جائے گی ... پہلے تلاشی کا عمل مکمل کیا جائے ۔''

''بہت خوب ! آپ اپنا کچھ عملہ ساتھ لے لیں ... جو بکس کھول
کھول کر ہمیں دکھا سکے ۔''

''آپ فکر نہ کریں ۔''

اور پھر بکسوں کی تلاشی شروع ہوئی ... ابھی انھوں نے چند بکس
ہی کھلوائے تھے کہ جہاز کے عرشے پر کچھ غیر ملکی نظر آئے ... ان میں
سے ایک نے کپتان سے کچھ بات کی ... وہ انھیں نچلی منزل میں لے
آیا جہاں بکس رکھے گئے تھے۔

''خبردار آپ لوگ ان بکسوں کو نہیں کھول سکتے ۔''

اس جملے پر وہ فوراً ان کی طرف گھومے ... ان کے منہ سے ایک
ساتھ نکلا ۔

''کیا مطلب ؟''

☆☆☆☆☆

ڈامے کو

''کیا مطلب ... آپ نے کیا کہا ؟'' انسپکٹر کامران مرزا بولے ۔

''آپ ان بکسوں کو نہیں کھول سکتے ۔''

''کیوں ... کیوں نہیں کھول سکتے ...'' انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

''آپ بندرگاہ کے منیجر کی طرف دیکھ کر بات کریں ... ان میں سے ایک نے طنزیہ آواز میں کہا ۔

''یہ لیجیے ! کر لیے ہم نے منہ ان کی طرف ۔''

یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنے رخ ایاز بخاری کی طرف کر لیے ... وہ یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ ان کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا ۔

''کیا ہوا بخاری صاحب ... خیر تو ہے ۔''

''مم ... مجھے افسوس ہے ... آپ ان بکسوں کو نہیں کھلوا سکتے ۔''

''کیا مطلب ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ... آپ بندرگاہ کے

منیجر ہیں...''

''میں جانتا ہوں ... لیکن یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے ۔''

''کون سی بات ؟''

''بکسوں کو کھلوانے والی ۔''

''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے ... کھلواتے ہیں بکسوں کو۔''

''میں نے ان حضرات کے آنے سے پہلے کہا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ معاملہ ان لوگوں کا ہے ۔''

''اور یہ کون لوگ ہیں ۔''

''ان لوگوں کے بارے میں صدر صاحب کا حکم ہے کہ ان کے سامان کو چیک نہ کیا جائے ۔''

''ان کے نام ؟''

''ڈامے کو ۔''

''ڈامے کو ... کیا مطلب؟'' انسپکٹر کامران مرزا چونکے ۔

''ڈامے کو انشارجہ کی کمیٹی ہے ... اس نے حکومت سے اجازت لی ہوئی ہے کہ اس کا سامان چیک نہیں کیا جائے گا ۔''

''ایسی اجازت بھلا کس طرح دی جا سکتی ہے ۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا ۔

''ہمارے ملک کے موجودہ صدر سے پہلے جو صدر تھے ، یہ معاملہ انھوں نے کیا تھا ... اور چونکہ اس سال معاہدہ تھا ،اس لیے موجودہ صدر کو بھی پابندی کرنی پڑ رہی ہے ۔''

''ہم اس معاہدے کو عدالت میں لے جائیں گے ... سابقہ صدر نے اگر کوئی غلط معاہدہ کیا تھا تو ہم کیوں اس کے پابند ہونے لگے۔''

''اس سلسلے میں ایک اور بات بھی ہے ۔''ایاز بخاری بولے ۔

''اور وہ کیا !''

''معاہدہ ختم ہونے کی صورت میں کچھ امدادی معاہدے ختم ہو جائیں گے ... یعنی ہمارے ملک کوانشارجہ سے جو مالی مدد مل رہی ہے ... وہ بند کر دی جائے گی...اور اس بات سے موجودصدر بھی گھبراتے ہیں۔''

''اور یہی ہماری کمزوری ہے ... ہم انشارجہ سے ڈرتے ہیں ... اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے ... خیر ... اس سلسلے میں ہم بات کریں گے ... اس وقت جو مسئلہ ہے، پہلے اس سے نبٹ لینا چاہیے ... یہاں تو ہم ان بکسوں کو دیکھیں گے ... میں صدر صاحب کو فون کرتا ہوں ۔''انسپکٹر کامران مرزا بولے ۔

''آپ انھیں نہیں دیکھ سکتے ... نہ صدر صاحب آپ کو اجازت دیں گے ۔''ایک غیر ملکی بولا۔

''ہم ہر حال میں ان بکسوں کو دیکھیں گے... چاہے کچھ ہو جائے۔''

''چاہے ... آپ کے ملک کے صدر اجازت نہ دیں ،تب بھی دیکھیں گے ۔''

''پہلے صدر صاحب سے بات کر لوں ... پھر بتاؤں گا ۔'' انھوں کہا اور صدر صاحب کے نمبر ملائے ... دوسری طرف سے فوراً ہی صدر صاحب کی آواز سنائی دی ... انھوں نے ان کی بات سنے بغیر ہی کہا۔

''کامران مرزا ان کی بات مان لیں ۔''

''سر! انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو داؤ پر لگا رہے ہیں ۔''

''نہیں ۔''

''تب پھر ۔''

'' ان لوگوں کا کہنا ہے ... یہ اس بات کی گارنٹی دیتے ہیں ... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ان بکسوں میں نہیں ہیں ۔''

''تب تو اور اچھا ہے ،انھیں بکس دکھا دینے چاہیے ۔''

بس یہ ایسا نہیں چاہتے ۔''

''اس طرح ہمارا اطمینان نہیں ہو سکتا سر۔''

''تب پھر فیصلہ کیسے ہو۔''

''بکس دیکھ کر ہی ہو گا۔''

''اچھی بات ہے ... میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں ... جو کرنا ہے کرلو... جو ہوگا... دیکھا جائے گا۔''

''کچھ نہیں ہوگا سر ... آپ فکر نہ کریں ... البتہ اگر بکسوں کی تلاشی نہ لی تو ضرور ہمیں بہت بھاری نقصان ہوگا۔''

'' اچھی بات ہے ... موبائل غیر ملکیوں میں سے کسی کو دے دیں۔''

''یہ لیں جی ... صدر صاحب سے بات کریں۔''

ایک غیر ملکی نے بڑی لاپرواہی سے موبائل لے کر کان سے لگایا اور سخت لہجے میں بولا:

''جی صاحبِ صدر!''

دوسری طرف سے ظاہر ہے، یہ کہا گیا ہوگا کہ انھیں بکس دکھا دیں ... کیونکہ اس پر اس نے خوب تن کر کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے صاحبِ صدر! یہ تو معاہدے کی خلاف ورزی ہو جائے گی۔''

''اب جو بھی ہوگا ... دیکھا جائے گا۔''

''اچھی بات ہے صاحبِ صدر! ہم بھی یہی کہتے ہیں، اب جو بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔''

''اوکے۔'' غیر ملکی نے موبائل بند کر دیا ... اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔

''آؤ چلیں ... ان سب کو دیکھ لیا جائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگا... اس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔

''تو کیا آپ اپنے بکسوں کو اپنے سامنے نہیں کھلوائیں گے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے ہانک لگائی۔

''نہیں ... کوئی ضرورت نہیں ہمیں یہاں مزید ٹھہرنے کی۔''

''لیکن جناب! آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونک کر بولے۔

''اگر ان بکسوں میں سے انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی برآمد ہو گئے تو ہمیں آپ کو گرفتار بھی تو کرنا ہو گا... لہذا آپ یہاں ٹھہریں۔''

''اور اگر ہم نہ ٹھہریں۔''

''تو ہمیں ٹھہرانا آتا ہے ... آفتاب، آصف، فرحت ... انھیں روک لو۔''

''جی اچھا!'' اتنا کہتے ہی انھوں نے تیز دوڑ لگا دی ... اور آن
کی آن میں ان کے آگے جا کھڑے ہوئے۔
''انسپکٹر کامران مرزا ... آپ اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں۔''
''تب پھر آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت ہی
نہیں۔''
''خیر خیر ... دیکھیے۔'' یہ کہتے ہی ان میں سے ایک نے پستول
نکال لیا اور اس کی نال کا رخ ان تینوں کی طرف کر دیا ... یہ دیکھتے ہی
انسپکٹر کامران مرزا کے ہاتھ میں بھی پستول نظر آیا ... وہ غرائے۔
''پستول میرے ہاتھ میں بھی ہے ... ذرا سوچ سمجھ کر فائر کرنا۔''
انھوں نے مڑ کر دیکھا ... چند لمحے سوچتے رہے ... پھر پستول جیب
میں چلا گیا ... اب اس نے کہا۔
''ٹھیک ہے ... آپ ان بکسوں کی تلاشی لے لیں۔''
''اب آئے نہ سیدھے راستے پر۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا
کر کہا۔
''ہمارا سیدھا راستہ کون سا ہے ... آپ لوگوں کو بہت جلد معلوم
ہو جائے گا ... کھولیں ان بکسوں کو۔''
''ایاز بخاری صاحب ... کھلوائیں ان کو۔''

اور پھر بکسوں کی کیلیں اکھاڑی جانے لگیں ... جونہی پہلے بکس کا
ڈھکنا اوپر اٹھایا گیا ... ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔
''ارے باپ رے ... اتنا سونا اور جواہرات ... ہمارے ملک کی
دولت اس طرح یہاں سے جا رہی ہے ... انسپکٹر کامران مرزا کا چہرہ تن
گیا۔''
''ہاں لے جائی جا رہی ہے ... روک سکتے ہو تو روک لیں۔''
ایک غیر ملکی غرایا۔
''ہم روکیں گے۔''
عین اس وقت انسپکٹر کامران مرزا کے موبائل کی گھنٹی بجی ...
انھوں نے فوراً اسکرین کی طرف دیکھا ... صدر صاحب کا نام نظر آیا۔
''یس سر۔''
''انسپکٹر کامران مرزا! اپنی تفتیش کو یہیں روک دو اور جہاز پر سے
اتر آؤ۔''
''یہ آپ نے کیا کہا سر۔''
''جو کہا ہے ... اس پر عمل کرو۔''
''سر! اس جہاز پر انسپکٹر جمشید پارٹی کے ہونے کے امکانات
واضح طور پر ہیں۔''

"نہیں کامران مرزا! مجھے اطمینان دلایا گیا ہے... بلکہ گارنٹی دی گئی ہے کہ ایسا نہیں ہے... ان لوگوں کا یہاں نام ونشان تک موجود نہیں۔"

"بہت بہتر سر... جو حکم۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا... انسپکٹر کامران مرزا نے فوری طور پر اپنا موبائل آف کر دیا... ساتھ ہی اپنے ساتھیوں سے بولے۔

"میں نے اپنا موبائل بند کر دیا ہے۔"

آصف، آفتاب، فرحت اور آئی جی صاحب نے بھی فوری طور پر اپنے موبائل بند کر دیے۔

"ان میں سے جو شخص بھی موبائل آن کرنے کی کوشش کرے... آصف اسے گولی مار دینا۔"

"بہت بہتر انکل۔" آصف نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب... کیا تم لوگوں نے صدر صاحب کا حکم نہیں سنا۔"

"سنا ہے... لیکن ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے... کیونکہ اس جہاز پر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی موجود ہیں اور انھیں چھڑانے کے سلسلے میں ہم صدر کا حکم بھی ٹال دیں گے۔"

"اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا... پورے ملک میں آگ بھڑک اٹھے گی۔"

"اگر ہم انھیں نہ تلاش کر سکے... تو ہم اس سے بھی زیادہ نقصان میں رہیں گے۔"

"جن لوگوں نے صدر صاحب کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ لوگوں کو جہاز کی تلاشی سے روک دیں... وہ بھلا کب آرام سے بیٹھیں گے۔"

"کوئی پرواہ نہیں۔"

"اور صدر صاحب کو کیا جواب دیں گے۔"

"انسپکٹر جمشید پارٹی کو ان کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے... ہم نے یہ سب ان کی رہائی کے لیے کیا ہے... اگر ایسا کرنا جرم تھا تو ہم سزا بھگتنے کے لیے تیار ہیں۔"

"اچھی بات ہے... اب جو ہوگا، اس کی ذمے داری آپ لوگوں پر ہوگی۔"

"بالکل ہوگی۔" "آپ فکر نہ کریں۔"

اس کے ساتھ ہی انھوں نے جہاز کے عملے کو اشارہ کیا۔

"تم لوگ ذرا جلدی جلدی اپنا کام کرو... اس زور دستی کے ساتھ اگر انسپکٹر جمشید بھی ہاتھ لگ گئے تو صدر صاحب سارا غصہ بھول

جائیں گے۔''

عملہ حرکت میں آگیا اور آخر ایک بکس سے انھیں انسپکٹر جمشید مل گئے ... لیکن وہ بے ہوش تھے ... اسی طرح باقی بکسوں سے ایک ایک کر کے سب ساتھی مل گئے ... جہاز کے ڈاکٹر نے انھیں چیک کیا تو بول اٹھا۔

''انھیں کوئی تیز نشہ آور انجکشن لگائے گئے ہیں... فوراً ہسپتال لے چلیں۔''

''ہوں ...''

غیر ملکیوں کو رسیوں سے جکڑ لیا گیا ... پھر ان کا قافلہ ہسپتال کی طرف روانہ ہوا ... ڈاکٹر حضرات نے چیک کر کے بتایا۔

''کم از کم آٹھ گھنٹے سے پہلے ان کے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں۔''

''اوہ۔'' وہ پریشان ہوگئے ... پھر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا:

''اب صدر صاحب سے بات کرنا ہوگی۔''

انھوں نے نمبر ملایا... فوراً ہی صدر صاحب کی آواز سنائی دی۔

''ہاں کامران مرزا کیا بات ہے۔'' ان کی آواز سے سخت پریشانی ٹپک رہی تھی۔

''آپ ہم سے ناراض ہیں سر؟''

''ناراض نہیں ... بہت خوش ہوں ... میں تو ڈر رہا تھا۔''

''کیا فرمایا آپ نے ... ڈر رہے تھے۔''

''ہاں! اس وقت انشارجہ کا سفیر میرے پاس موجود تھا اور یہ فون اسی نے ہی کروایا تھا ... لہذا اس کے سامنے مجھے کہنا پڑا کہ جہاز کی تلاشی روک دو... ورنہ میں اندر سے دعا کر رہا تھا کہ تم لوگ تلاشی ضرور لو۔''

''ہم اپنے ساتھیوں کو لے آئے ہیں سر اور بے تحاشہ سونا اور جواہرات بھی لے کر آئے ہیں... جو اس جہاز سے غیر قانونی طور پر ملک سے لے جایا جا رہا تھا۔''

''سونے اور جواہرات کی بات چھوڑو کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید وغیرہ کی بات کرو۔''

''یہ سب لوگ بے ہوش ہیں ... ڈاکٹر حضرات کے مطابق آٹھ گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئیں گے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے بتایا۔

''اوہ اچھا ... خیر ... ان کی حفاظت کے انتظامات کر لینے چاہیں، ہو سکتا ہے ... وہ خطرے میں ہوں۔''

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے ... بلکہ اس بات کا زبردست

امکان ہے کہ ان پر حملہ کیا جائے ... کیونکہ وہ کوئی ایسی بات جانتے
ہیں ... جس کی بنا پر یہ سارا چکر چلایا گیا۔''

''فکر نہ کرو ... ہسپتال کے گرد ایسا پہرہ لگوا رہا ہوں کہ پرندہ بھی
پر نہ مار سکے ... تم لوگ بے فکر ہو کر اپنا کام کرو۔''

''ٹھیک ہے سر ... ہم ذرا ریاست جا رہے ہیں۔''

''میرا خیال میں تو ریاست انسپکٹر جمشید کے ساتھ جانا چاہیے ...
کیونکہ اگر یہ سارا معاملہ ریاست سے متعلق ہے ... تب تو ان کا ساتھ
ضروری ہے۔''

''آپ کا مشورہ بالکل درست ہے ... ہم ان کے ہوش میں آنے
کا انتظار کریں گے اور اس کے بعد ریاست جائیں گے۔''

''بالکل ٹھیک!'' صدر صاحب نے ہنس کر کہا۔

اور پھر دس گھنٹے بعد ان لوگوں کو ہوش آیا ... انھوں نے ریاست
سے گزرنے والے واقعات اور حالات سب کہہ سنائے ... وہ سب
حیرت زدہ رہ گئے۔

''اسی لیے ریاست کا نواب انھیں غائب رکھنا چاہتا تھا ... لیکن
وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور اللہ کی مہربانی سے ہم انھیں تلاش کرنے
میں کامیاب ہو گئے ... کیوں دوستو!'' آفتاب نے شوخ آواز سے کہا۔

''ہاں آفتاب! تم نے ٹھیک کہا ... لیکن مہربانی فرما کر ہمیں
بولنے پر مجبور نہ کرو ... ہم میں ابھی بولنے کی طاقت نہیں ... یعنی
زبان ہلانا بھی مشکل لگ رہا ہے۔'' فاروق نے مشکل سے کہا۔

''اوہ معاف کرنا ہمیں معلوم نہیں تھا کہ کمزوری اس درجے ہے
... لیکن پھر آپ لوگ ہمارا ساتھ کس طرح دے سکیں گے بھلا۔''

''میرا خیال ہے ... ہم کل تک آسانی سے چل پھر اور بول سکیں
گے۔''

''کوئی پروا نہیں ... اب ہمیں ایسی کوئی جلدی نہیں ... ہم ایک
دن بعد کیا کئی دن بعد جا سکتے ہیں۔''

دو دن میں وہ اس قابل ہو سکے کہ سفر کر سکیں ... اب انسپکٹر
کامران مرزا نے ریاست کے نواب کے نمبر ملائے۔

''انسپکٹر کامران مرزا بات کر رہا ہوں ... نواب احتشام سے بات
کرائیں۔''

''مجھے افسوس ہے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''جی ... کیا کہا آپ نے ... آپ کو افسوس ہے ... لیکن کس
بات پر ... اور آپ کون ہیں ... میں نے تو نواب احتشام کے نمبر ملائے
تھے۔''

’’ہاں ! یہ نمبر انھیں کے ہیں ،لیکن ان سے بات نہیں ہو سکتی۔‘‘
ان سے کہا گیا۔

’’لیکن کیوں ... کیوں بات نہیں ہو سکتی بھلا۔‘‘

’’تین دن پہلے وہ ریاست سے بالکل غائب ہوگئے ... ان کے بارے میں کسی کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں۔‘‘

’’کیا !!!‘‘

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆☆☆☆☆

قانون

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے ... آخر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

’’یہ تو عجیب بات ہوگئی ... پھر اب ریاست کے حکمران کون بنے ہیں۔‘‘

’’ان کے بھائی زلال جان ... لیکن اب انھیں الیکشن کرانے ہوں گے... اس میں جو کامیاب ہو گا ... وہ نیا حکمران بنے گا ... زلال جان تو درمیانی مدت کے حکمران ہیں ... البتہ الیکشن میں وہ بھی حصہ لے سکیں گے۔‘‘

’’کیا نواب احتشام جان کو تلاش نہیں کیا گیا۔‘‘

’’نہیں ! جو لوگ اقتدار حاصل کرنے کے چکر میں تھے ... وہ تو بہت خوش ہیں ... انھیں کوئی تلاش کر کے کیا کرے گا۔‘‘

’’کیا لوگوں کو یہ جستجو بھی نہیں کہ آخر وہ کیوں غائب ہو گئے

...انھوں نے ایسا کیا جرم کیا تھا۔''

''نہیں ... کسی کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''ہوں! اگر ہم ریاست آنا چاہیں تو آپ میں کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''اعتراض کیسا! آپ تو ہمارے پڑوسی ملک کے اہم لوگ ہیں ... ہمیں تو خوشی ہوگی آپ لوگوں کے آنے کی۔''

''اچھی بات ہے ... تو پھر زلال جان صاحب کو اطلاع دے دی جائے اور ان سے بھی اجازت لے لی جائے۔''

''اور میں زلال جان ہی بات کر رہا ہوں ... نواب احتشام کا نمبر اب میرا نمبر ہے۔''

''اوہ اچھا ... یہ سن کر خوشی ہوئی، ہم کل شام تک پہنچیں گے انشاء اللہ۔''

''میں آپ لوگوں کا انتظار کروں گا۔''

''شکریہ۔''

دوسرے دن انسپکٹر جمشید پارٹی کی طبیعت اور بہتر ہوگئی اور اب وہ سفر کے قابل لگ رہے تھے ... یہ دیکھ کر انسپکٹر کامران مرزا نے اطمینان کا سانس لیا ... ایئر پورٹ پر ان کے لیے ایک پرائیویٹ طیارہ بالکل

تیار کھڑا تھا ... آخر وہ جہاز میں روانہ ہوگئے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ ریاست کے محل میں نواب زلال جان کے ساتھ بیٹھے تھے ... زلال جان کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی ... بلکہ وہ بالکل پرسکون نظر آرہے تھے۔

''نواب احتشام جان کے بارے میں ہمیں بہت تشویش ہے ... کیا آپ اس سلسلے میں ہماری معلومات میں کوئی اضافہ کر سکتے ہیں۔''

''نہیں! کسی کو ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ... اور نہ کسی نے انھیں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے ...''

''اوہو اچھا ... حیرت ہے ... کسی نے بھی ریاست کے نواب کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے ... اور اس کی وجہ ہے ... اقتدار چیز ہی ایسی ہے ... اب تین ماہ بعد الیکشن ہوں گے ... لہٰذا ہر امیدوار کو اپنے کامیاب ہونے کی امید ہے ... جب کہ نواب احتشام جان کے ہوتے ہوئے یہ انتخابات نہیں ہو سکتے تھے ...''

''آپ ریاست کے قانون کی ایک نقل ہمیں دے سکتے ہیں۔''

''جی ہاں کیوں نہیں۔'' زلال جان نے فوراً کہا اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔''

''حیرت ہے۔'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''کس بات پر حیرت ہے آپ کو۔''

''اس بات پر کہ آپ نے تو فوراً کہہ دیا کہ قانون کی نقل مل سکتی ہے... جب کہ نواب احتشام کاپی دینے پر کسی طرح تیار نہیں تھے۔''

''کیا مطلب؟'' زلال جان نے چونک کر کہا۔

''جی ہاں! ہم نے ان سے قانون کی کاپی کے لیے کہا تھا... لیکن انھوں نے ہمیں نہیں دی تھی... بلکہ ہمیں تو زبردستی اپنی ریاست سے ہمارے ملک روانہ کر دیا تھا۔''

''ہمیں ان حالات کا کوئی علم نہیں... ہمیں تو انھوں نے بس یہ بتایا تھا کہ ان کا اچانک واپسی کا پروگرام بن گیا تھا۔''

''اوہو... اچھا۔'' انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

ادھر ایک خادم اندر آ کر کھڑا ہوا تھا... وہ حکم کا انتظار کر رہا تھا... زلال جان کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا۔

''ریاست کے قانون کی ایک نقل لے آئیں۔''

''بہت بہتر سر۔'' یہ کہہ کر وہ ایڑیوں کے بل پر گھوما اور باہر نکل گیا۔

''ہمیں عجیب سا احساس ہو رہا ہے... کوئی نہ کوئی عجیب بات

سامنے آنے والی ہے۔''

''میں بھی بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔''

جلد ہی خادم قانون کی نقل لے آیا... اب انھوں نے نواب زلال جان سے کہا۔

''ہم اس کا مطالع کریں گے... لہذا آپ جا کر اپنا کام کر سکتے ہیں... جب ہمیں آپ سے کوئی بات کرنے کی ضرورت محسوس ہو گی... تو آپ کو پیغام بھیج دیں گے۔''

''اچھی بات ہے۔'' زلال جان نے کہا اور اٹھ گئے۔

ادھر وہ قانون پڑھنے میں محو ہو گئے... اس میں درج تقریباً تمام باتیں نواب احتشام انھیں بتا چکے تھے... چونکا دینے والی کوئی بات بھی انھیں محسوس نہیں ہوئی تھی... خیر... وہ پڑھتے چلے گئے... اچانک قانون کی ایک شق نے انھیں چونکا دیا... شق یہ تھی:

''ریاست کے والی دو شادیاں نہیں کر سکتے... وہ تمام عمر ایک شادی ہی کر سکتے ہیں... نواب بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تمام زندگی ان کی ایک ہی شادی رہے گی... دوسری شادی نہیں کر سکتے... اگر دوسری شادی کریں گے یا خفیہ طور پر کی گئی دوسری شادی کا پتا چل جائے گا تو انھیں نوابی سے محروم کر دیا جائے گا۔''

یہ شق پڑھ کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... ان سب کی آنکھوں میں بے تحاشہ چمک نظر آنے لگی تھی۔

انھوں نے خادم کے ذریعے زلال جان کو بلوایا ... وہ اندر داخل ہوئے تو انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''نواب صاحب ... آپ کی ریاست کا ایک قانون یہ ہے کہ نواب کی کوئی دوسری شادی نہیں ہو سکتی ... نہ نواب بننے سے پہلے نہ نواب بننے کے بعد ... اس میں جو یہ الفاظ ہیں، نہ نواب بننے سے پہلے ... بھلا اس کا کیا مطلب ہے۔''

''مطلب صاف ہے ... اگر کسی شخص نے نواب بننے سے پہلے شادی کی ہوئی ہے ... تو اس کی وہی شادی رہے گی ... نواب بننے کے بعد بھی وہ کوئی اور شادی نہیں کر سکے گا ... نواب احتشام صاحب کی ایک شادی ہوئی تھی نا۔''

''جی ہاں! بالکل۔''

''اور کیا وہ اپنے بیوی بچوں سمیت غائب ہیں۔''

''جی ہاں!''

''ایسا تو نہیں کہ نواب بننے سے پہلے انھوں نے کوئی اور شادی کی تھی ... لیکن اس شادی کا کسی کو پتا نہ ہو اور نواب بننے کے بعد یا

اس سے پہلے ہی انھوں نے دوسری شادی پھر کر لی ہو ... اور پھر وہ نواب بن گئے ہوں۔''

''نہیں ... میرا مطلب ہے ... ریاست کے لوگوں کو ایسی کوئی بات معلوم نہیں۔''

''اگر ایسی کوئی بات ہے ... تو۔''

''نواب ہونے کی صورت میں اگر ایسی کوئی بات ثابت ہو جائے تو؟''

''تو انھیں نوابی سے الگ ہونا پڑتا۔''

''اوہ۔'' ان سب کے منہ سے نکلا، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''ہم انھیں تلاش کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا فائدہ ... اب اس کی کیا ضرورت ... انھوں نے تو خود ہی اپنے آپ کو ریاست سے الگ کر لیا ہے ... لہٰذا جہاں ہیں، خوش رہیں ... لوگوں کو تو ان سے کوئی پروا نہیں ... ان کے نواب رہنے کی صورت میں ہو سکتی تھی ... اب نہیں۔''

''لیکن ہم اس الجھن سے نجات چاہتے ہیں ... آخر انھوں نے انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اتنا برا سلوک کیوں کیا۔''

''برا سلوک ... کیا مطلب؟''

''اوہ ہاں! آپ کو تو معلوم ہی نہیں ... خیر ... ہم بتا دیتے ہیں۔''

اب انسپکٹر جمشید نے ساری تفصیل سنا دی ... نواب زلال جان مارے حیرت کے منہ کھولے یہ تمام باتیں سنتے رہے ... ان کی آنکھیں بار بار پھیلتی رہیں ... آخر ان کے خاموش ہونے پر بولے۔

''یہ باتیں انتہائی حیرت انگیز ہیں ... سوال یہ ہے کہ وہ آپ کے ملک کے بعض اہم لوگوں یا اداروں پر کس طرح اثرانداز رہے ہیں۔''

''اہم سوال نے تو ہمیں چکرایا ہوا ہے ... ہم جاننا چاہتے ہیں ... ان کے ساتھ وہ کون سی طاقت تھی ... جس کی بنیاد پر انھوں نے ہمارے ملک میں بھی ہمیں قابو کر لیا تھا ... اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہو گیا ... صدر صاحب نے انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچوں کو بلالیا ... ورنہ وہ طاقت تو ہمیں بحری جہاز کے ذریعے ہمارے ملک سے لے گئی ہوتی اور پھر ہمارے ساتھ کیا ہوتا ... یہ ہمیں معلوم نہیں ... مطلب یہ کہ انھوں نے ہمیں ختم کرنے کی مکمل کوشش کی تھی ... اس طرح وہ ہمارے مجرم ہیں۔''

''اس پر تو بعد میں بات ہو گی کہ ان کے مل جانے کی صورت

میں انھیں آپ کے حوالے کیا جا سکتا ہے یا نہیں ... یا انھیں ریاست میں سزا دی جائے گی یا نہیں... پہلے تو انھیں تلاش کرنا ہو گا ... اگر آپ انھیں تلاش ہی نہ کر سکے تو یہ تمام باتیں بے کار ہوں گی۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ... پہلے ہم ان کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں... اگرچہ ہم جانتے ہیں ... انھیں تلاش کر لینا آسان کام نہیں ہو گا ... اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس وقت تک وہ اس طاقت کی پناہ میں جا چکے ہوں ... ان کے لیے ہمارے راستے میں مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔''

''آپ ان کا سراغ لگا سکتے ہیں تو لگا لیں ... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

''آپ ان کے غائب ہونے کی کیفیت بتا دیں ... وہ محل سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کس طرح گئے۔''

''محل سے وہ سیر کے لیے گئے تھے ... اپنی ذاتی گاڑی میں ... بیوی بچوں سمیت گئے تھے ... اور پھر ریاست کی ایک سڑک پر ان کی خالی گاڑی ملی تھی ... اس میں سے سارا سامان نکال لیا گیا تھا ... ظاہر ہے ... انھوں نے بہت ضروری اور قیمتی چیزیں محل سے ساتھ لے لی ہوں گی ... کیونکہ انھیں تو پروگرام کا پتا تھا ... لیکن ان کے علاوہ

ریاست میں اور کسی کو پتا نہیں تھا۔"

"ہوں ... جس جگہ انھوں نے کار چھوڑی ... آپ ہمیں اس جگہ بھجوا دیں... ہم اپنا کام وہیں سے شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

جلد ہی انھیں وہاں پہنچا دیا گیا ... جہاں نواب احتشام جان کی کار ملی تھی... انھوں نے اس جگہ کا خوب غور سے جائزہ لیا ... چاروں طرف بھی دیکھا ... اور پھر ایک سمت میں ان کے قدم اٹھنے لگے ... قدم اٹھانے سے پہلے انسپکٹر جمشید نے کہا تھا:

"اس جگہ سے وہ لوگ بہرحال پیدل گئے ہیں ... لہذا ہم بھی یہاں سے پیدل جائیں گے۔"

ان کے لہجے سے جوش ٹپک رہا تھا ... شاید وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔

☆☆☆☆☆

پھر ملاقات

انھوں نے ایک سمت میں چلنا شروع کیا ... وہ راستہ جھیل کی طرف جا رہا تھا ... اور آگے چل کر وہ اس گھر کی طرف جاتا تھا جس میں راکبہ اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی ... ایسے میں اچانک انسپکٹر جمشید کے جسم کا ایک جھٹکا لگا ... وہ چلتے چلتے رک گئے ... انھوں نے جیب سے موبائل نکال کر نواب زلال کے نمبر ملائے اور ان کی آواز سننے پر بولے۔

"نواب صاحب! معاف کیجیے گا ... ایک بات پوچھنا ہم بھول گئے۔"

"پوچھیے۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"دیکھیے جب ہم لوگ یہاں شکار کے سلسلے میں آئے تھے تو ان دنوں وہ چھلاوہ لڑکی ریاست میں اچھل کود مچا رہی تھی ... وہ اچانک نمودار ہوتی تھی اور کسی کی کوئی چیز چھین کر بھاگ جاتی تھی ... ہم آپ

سے پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ کیا اب بھی وہ چھلاوہ لڑکی ایسی وارداتیں کرتی ہے۔''

''جی ... جی نہیں ... نواب احتشام کے غائب ہوتے ہی اس کی وارداتیں بھی حیرت انگیز طور پر ختم ہو گئی تھیں۔''

''بہت خوب ! یہ جان کر خوشی ہوئی ... میرا یہ خیال ہے کہ اب ہم اس کیس کو جلد از جلد حل کر لیں ... میرا مطلب ہے اس کیس کی تہہ تک پہنچ جائیں گے۔''

''میں خود یہ چاہتا ہوں کہ ایسا ہو جائے ... ورنہ الجھن رہے گی۔''

''فکر نہ کریں۔''

فون بند کرنے کے بعد وہ پھر آگے چلنے لگے ... آخر راکبہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے ... محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی ... اندر سے فوراً راکبہ کی آواز سنائی دی۔

''کون !''

''یہ ہم ہیں ... محمود فاروق اور فرزانہ ... آپ سے مل چکے ہیں۔''

''آپ ... آپ یہاں کہاں ... آپ لوگ تو اپنے ملک چلے نہیں

گئے تھے۔'' اندر سے حیرت بھری آواز سنائی دی۔

''ہاں ! چلے تو گئے تھے ... لیکن پھر آنا پڑ گیا ... سوچا ... آپ لوگوں سے بھی مل لیں۔''

''اچھی بات ہے ... آپ لوگ بہت اچھے ہیں ، بہت نیک ہیں۔''

اور پھر دروازہ کھل گیا ... ساتھ ہی راکبہ بری طرح چونکی ... کیونکہ دروازے پر صرف دو تین نہیں ، ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔

''آپ تو بہت سارے ہیں۔'' اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''آپ فکر نہ کریں ... ہمارے لیے آپ کو کرسیوں کا انتظام کرنے کی ضرورت نہیں ... ہم ہر جگہ بیٹھ سکتے ہیں ... چارپائی کی پٹی پر بیٹھ جائیں گے ... فرش پر بیٹھنا پڑا تو بھی بیٹھ جائیں گے۔''

''آئیے ...'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔

''آپ کو پریشان ہونے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔''

''نہیں ! میں پریشان نہیں ہوں ... نہ گھبرائی ہوئی ہوں ... آپ بیٹھیں ... میری ماں سے باتیں کریں ، میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔''

''چائے کی ضرورت نہیں ، نہ یہ ہمارا چائے پینے کا وقت ہے ...

ہم صرف صبح ناشتے کے وقت ... یا پھر شام کو پانچ بجے چائے پیتے
ہیں... اس کے علاوہ چائے کو ہاتھ نہیں لگاتے اور کھانے پینے کے
اعتبار سے ہم بہت ہی زیادہ با اصول ہیں۔''

''مجھے تو آپ لوگ ہر معاملے میں ہی بااصول لگے ہیں ... ''
راکبہ نے ہنس کر کہا۔'' لیکن اس کی ہنسی میں اب بھی پریشانی شامل تھی
اور اس بات کو انھوں نے صاف طور پر محسوس کیا تھا۔

''پھر وہ بیٹھ گئے ... جہاں جس کو جگہ ملی ... بیٹھ گئے۔

''محترمہ! آپ بہت خاموش ہیں ... ہماری وجہ سے پریشان ہوگی
ہیں شاید۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ،مہمان تو خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔''

''شکریہ! ہم آپ کی بچی سے چند سوالات کرنے کے لیے آئے
ہیں۔''

''لیکن کس سلسلے میں۔'' خاتون نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اس ریاست کے سلسلے میں ...''

''ہمارا ایسے سوالات سے کیا تعلق۔'' عورت نے حیران ہو کر
پوچھا۔

''تعلق بظاہر تو نہیں ... لیکن ہو بھی سکتا ہے۔''

''خیر ... پوچھیں کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''کچھ مدت پہلے تک اس ریاست میں ... ایک چھلاوہ لڑکی عجیب
وغریب قسم کی وارداتیں کرتی رہی ہے ... آپ کو اس کے بارے میں
کچھ معلوم ہے۔''

''اس کے بارے میں تو چہ میگوئیاں ہی سننے میں آتی رہی ہیں
... میں جب گھر کا سامان خریدنے جاتی ہوں تو لوگ اس کے بارے
میں بات کر رہے ہوتے ہیں ... میں نے بھی ان کی باتیں سنی ہیں ...
بس وہ لوگ اس لڑکی کی حرکتوں پر حیرت ظاہر کر رہے ہوتے تھے ...
اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔''

''آپ نے کبھی خود بھی اسے دیکھا ہے۔''

''جی نہیں... ''اس نے فوراً کہا۔

''آپ کے پاس اپنے والد کی کوئی تصویر ہے۔''

''جی ... جی نہیں ... ہمارے پاس ان کی کوئی تصویر نہیں ہے ...
دراصل تصویریں کھنچوانا پسند نہیں کرتے تھے۔''

''آپ کی شکل صورت ان سے ملتی جلتی تھی۔''

''یہ بات تو میری والدہ بتا سکتی ہیں ... کیونکہ میں بہت چھوٹی تھی
... جب وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔''

"کیوں محترمہ! آپ کیا کہتی ہیں۔"

"میری بچی کے نقش نگار میرے شوہر سے ملتے جلتے تو خیر ہیں۔"

"کیا واقعی۔" انسپکٹر جمشید نے پر جوش انداز میں کہا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے، لیکن آپ اس بات پر اس قدر خوش کیوں ہوئے ہیں۔"

"جو بات ہم معلوم کرنا چاہ رہے ہیں... اس سلسلے میں یہ اطلاع کام کی ہے۔"

"پتا نہیں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ ہم آپ کو ابھی نہیں بتا سکتے... آپ یہ بتائیں... آپ نواب احتشام کے بارے میں کیا جانتی ہیں۔"

"وہ اس ریاست کے نواب رہے ہیں... آج کل لا پتا ہیں۔"

"کیا آپ کو بھی ان کے بارے میں معلوم نہیں۔"

"بھلا ہمیں کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔"

"اچھا شکریہ! ہمیں بس یہی کچھ معلوم کرنا تھا... اب ہم چلتے ہیں، آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ ہمیں الجھن میں مبتلا کر کے جا رہے ہیں۔" عورت نے

پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہم خود بہت شدید الجھن میں ہیں... آؤ چلیں۔"

اور وہ وہاں سے نکل آئے... محل میں داخل ہوئے تو زلال جان انھیں لان میں ٹہلتے مل گئے۔

"کیا رہا... کچھ پتا چلا سکے آپ لوگ۔"

"ابھی نہیں... لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہم ضرور پتا چلا لیں گے۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو... میرے لائق کوئی کام ہو تو بتا دیں۔"

"فی الحال تو کوئی کام نہیں... بس محل کے پہرے داروں کو یہ ہدایات کر دیں کہ اگر ہم رات میں کسی وقت کہیں جانا چاہیں تو وہ دروازہ کھول دیں۔"

"انھیں آپ کے بارے میں پہلے ہی ہدایات دی جا چکی ہیں... وہ آپ کی ہدایات کے مطابق چلیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"آپ کی چائے کا وقت ہو گیا ہے، اور آپ کے انتظار میں آج میں نے بھی چائے نہیں پی۔"

"اوہ اچھا... ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو ہماری وجہ سے انتظار

کرنا پڑا ... آیئے ... چائے پیتے ہیں ۔''

چائے کے دوران انھوں نے اس چھلاوہ لڑکی کے بارے میں بات چیت جاری رکھی ... ان باتوں سے انھیں اندازہ ہو گیا کہ نواب احتشام زلال جان کو اس کے بارے میں کچھ بھی زیادہ معلوم نہیں ... بس اتنا ہی جانتے ہیں ... جتنا کہ عام لوگ...

چائے کے بعد وہ مہمان خانے میں آگئے ... اور پھر رات کو بارہ بجے کے قریب وہ مہمان خانے سے نکل آئے ... پہرے داروں کو چونکہ پہلے ہی ہدایات تھیں، اس لیے انھوں نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا ... وہ ان سے کوئی بات کیے بغیر آگے بڑھ گئے ... درختوں کی اوٹ لیتے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے ... یہاں تک کہ جھیل کے پاس پہنچ گئے ... اور پھر وہ راکبہ کے گھر کے دروازے پر جا رکے ... انھوں نے کان دروازے سے لگا دیے ۔

وہ کافی دیر تک کان لگائے کھڑے رہے ،لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی ... اس کا مطلب تھا، راکبہ اور اس کی والدہ سوئے ہوئے تھے ۔

''ہمیں اس مکان کی تلاشی لینا ہو گی ... دیواریں زیادہ اونچی نہیں ہیں ... انسانی سیڑھی کے ذریعے آفتاب دیوار پر پہنچ جائے گا ... اور ساتھ ہی آصف بھی دیوار پر پہنچ جائے گا ... پھر آصف آفتاب کا

ہاتھ پکڑ کر اسے جہاں تک ممکن ہو سکا ،لٹکا دے گا...اس طرح آفتاب اندر سے دروازہ کھول دے گا ... ٹھیک ہے ۔''

انھوں نے سر ہلا دیے ... پھر فوراً انھوں نے انسانی سیڑھی کی شکل اختیار کر لی ... اور آفتاب دیوار پر نظر آیا ... اس کے پیچھے آصف پہنچ گیا ... پھر آفتاب نیچے لٹک گیا اور آصف نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

ایک منٹ بعد اندر سے دروازہ کھل گیا ... وہ دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے... کمرے کے دروازے پر پہنچ کر انھوں نے ایک بار پھر کان لگا دیے ... اندد خاموشی تھی ... دوسرے کمرے میں بھی خاموشی تھی ... اب انسپکٹر کامران مرزا نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھل گیا ... اس کا مطلب تھا، دروازہ اندر سے بند نہیں تھا... اس پر انھیں حیرت سی ہوئی ... اور انھوں نے دروازہ پورا کھول دیا ... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں ... کمرہ خالی پڑا تھا ... دونوں چارپائیوں کی چادریں ہموار تھیں ... مطلب یہ کہ ان پر کوئی نہیں لیٹا تھا ...

''یہ دونوں کہاں گئیں ۔'' انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا ۔

''میرا خیال ہے ... ہم بتا سکتے ہیں ۔'' فرزانہ کی کمزور آواز سنائی دی ...

''تو پھر بتاؤ ۔'' آصف کی آواز میں جوش تھا ۔''

"آئیے... یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف مڑ گئے۔

"پہلے پورے مکان کو دیکھ لیں ... ابھی ہم نے چھت نہیں دیکھی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی اچھا۔"

آصف اور آفتاب نے اوپر کا رخ کیا... چھت پر بھی کوئی نہیں تھا... اب وہ کمرے سے نکل آئے... محمود فاروق اور فرزانہ آگے آگے تھے... انھیں وہ وقت یاد آرہا تھا جب انھوں نے چھلاوہ لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے پانی میں چھلانگ لگائی تھی... آخر وہ جھیل کے کنارے پر پہنچ گئے... ایسے میں فاروق نے کہا:

"ہمیں پانی میں اترنا ہوگا... تیر کر جانا ہوگا۔"

"ہمیں تو آپ لوگوں کی فکر ہے... آپ سب ابھی کمزور ہیں ... لہٰذا آپ یہیں ٹھہریں... صرف ہم چلے جاتے ہیں... راستہ بتا دیں... جانا کہاں ہے۔"

"نہیں انکل! آپ ہم اتنے بھی کمزور نہیں... یہ کہتے ہی فاروق پانی میں اتر گیا... اس نے چھلانگ اس لیے نہیں لگائی تھی کہ چھپاکے کی آواز پیدا ہوتی... اس کے پیچھے سب پانی میں اتر گئے... فاروق سیدھا اس طرف جا رہا تھا جس طرف چھلاوہ لڑکی گئی تھی..."

"انکل! کیا آپ لوگوں کا خیال ہے... اس عورت کی لڑکی راکبہ ہی وہ چھلاوہ لڑکی ہے۔"

"خیال یہی ہے... لیکن یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے... ابھی معلوم ہو جائے گا..."

"آخر ہم پانی میں کیوں اترے ہیں۔"

"راستہ اسی طرف ہے... جس طرف ہم جا رہے ہیں اور جہاں ہمیں جانا ہے... وہاں پانی میں تیر کر ہی جا سکتے ہیں... اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"حیرت ہے... کمال ہے۔" آصف بولا۔

"دراصل... جھیل کے اس کنارے گھنا جنگل ہے... جنگل کے راستے فاصلہ بہت زیادہ طے کرنا پڑتا..."

"خیر کوئی بات نہیں۔"

وہ تیرتے رہے... یہاں تک کہ پانی میں ڈوبی گھنی جھاڑیوں تک پہنچ گئے... پھر پانی میں وہ دراڑ آگئی... اس میں سے گزرتے وقت انھیں عجیب سا احساس ہوتا رہا... جیسے وہ پانی کی قبر سے گزر رہے ہوں... آخر کار پانی ختم ہو گیا... اور وہ جھاڑیوں میں آگے بڑھتے رہے... دوسرے الفاظ میں اب وہ حد درجے گھنے جنگل میں تھے...

ذرا سے فاصلے پر کھڑا ہوا آدمی بھی انھیں نہیں دیکھ سکتا تھا ... جب کہ جھیل کا کنارا تو اس جگہ سے بہت فاصلے پر تھا ... لہٰذا کنارے پر سے دیکھ لیے جانے کا تو کوئی امکان تھا ہی نہیں ۔

اس جگہ جنگل ایسا تھا کہ خود ان سب کو بھی دانتوں پسینہ آگیا ... اس جگہ کو درختوں کا قلعہ ہی کہا جا سکتا ہے ... درخت اس طرح ساتھ ساتھ تھے کہ ایک مکمل دیوار نظر آرہی تھی ... ان کے درمیان بس ایک جگہ ایسی تھی جس میں سے ایک آدمی مشکل سے گزر سکتا تھا ... وہ اس راستے سے گزر کر جب دوسری طرف پہنچے تو انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا ... لکڑی کا بنا ہوا ایک مکان ان کے سامنے تھا ... یہ مکان اس طرح ڈھکا ہوا تھا کہ چاروں طرف سے بالکل نظر نہیں آتا تھا ... مکان زیادہ اونچا نہیں تھا ... بس ایک آدمی کے قد جتنا اونچا تھا ... ان کے قدم اس کی طرف اٹھنے لگے ... ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے ۔

اور جب وہ اس کے مکان کے زیادہ نزدیک ہو گئے تو ان کے کانوں میں انسانی آوازیں آنے لگیں ۔

ان کے کان کھڑے ہو گئے ۔

☆☆☆☆☆

سرخی

انھوں نے صاف محسوس کر لیا کہ ایک آواز راکیہ کی ہے ... اور دوسری اس کی والدہ کی تھی ... ان کی حیرت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ... کہ یہ دونوں یہاں تک کیسے پہنچیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں ... ایسے میں ایک تیسری آواز سنائی دی ... اس آواز کو سن کر انسپکٹر جمشید پارٹی اچھل ہی پڑی ... انسپکٹر کامران مرزا پارٹی بھی اچھلی مگر کم ... کیونکہ انھوں نے نواب احتشام کی آواز نہیں سنی ہوئی تھی ... تاہم وہ آواز چونکہ زلال جان کی آواز سے ملتی جلتی تھی اور زلال جان گم شدہ نواب کا سگا بھائی تھا ... اس لیے انھوں نے بھی اندازہ ضرور لگایا تھا کہ وہ آواز نواب احتشام کی ہے ... انھوں نے سنا، نواب کہہ رہا تھا ...

''میری حکومت ختم ہوگئی ہے ... مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ... افسوس اس بات کا ہے کہ اب تم لوگوں کو میرے ساتھ اس جنگل میں رہنا پڑے گا ... ریاست کا قانون تو اتنے پر صبر کر لیتا کہ میں نے

حکومت چھوڑ دی ... قانون کا تقاضا پورا کر دیا ... لیکن انسپکٹر جمشید کی وجہ سے اب ہم ساری زندگی عام لوگوں کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔''

''لیکن کیوں بابا۔'' یہ آواز راکبہ کی تھی۔''

''میری وجہ سے ... بلکہ میری ہدایات کے تحت انھیں ان کے ملک میں حبس بے جا میں رکھا گیا ... اور پھر بحری جہاز کے ذریعے انھیں ملک سے باہر لے جانے کی کوشش کی ... اور بھی کئی باتیں ہیں ... ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کون سی طاقت جو میرا ساتھ دے رہی تھی ... یہ سب باتیں بھلا وہ کہاں بھول سکتے ہیں ... لہٰذا مجھے ریاست میں نہیں رہنے دیں گے ... ریاست کے موجودہ حکمران زلال جان اگرچہ میرے سگے بھائی ہیں ... لیکن وہ بھی مجھے ریاست میں برداشت نہیں کریں گے ... لہٰذا ہمیں کچھ مدت تو یہیں گزارنی ہوگی ... جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا ... انسپکٹر جمشید وغیرہ یہاں آکر چھان بین کر کے واپس چلے جائیں گے تو ہم خفیہ راستے سے ریاست میں نکل جائیں گے اور ایک نئی زندگی شروع کریں گے ... وہ نئی زندگی ایک نواب کی نہیں ہو گی ... ایک عام انسان کی ہوگی ...'' نواب احتشام کی آواز سے دکھ جھانک رہا تھا۔

''اور یہ سب راکبہ کی وجہ سے ہوا ... صرف اور صرف راکبہ کی

وجہ سے۔'' انھوں نے بیگم نواب یعنی نوشین بیگم کی آواز سنی تو اور بری طرح اچھل پڑے ... اس کا مطلب یہ تھا کہ اس لکڑی کے مکان میں نواب احتشام دو عورتیں اور ایک لڑکی کے ساتھ تھا ... اور اس کا مطلب اب واضح ہو چکا تھا ... یعنی جھیل کے کنارے اس جھونپڑی نما مکان میں رہنے والی خاتون ... راکبہ کی ماں دراصل نواب احتشام کی پہلی بیوی تھی ... بات ان کے ذہن میں آرہی تھی ... لیکن ابھی بھی کچھ الجھنیں تھیں ... اور ان الجھنوں کو انھیں بہر حال ختم کرنا تھا ... اس لیے انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دے ڈالی۔

اندر ایک دم موت کا سناٹا طاری ہو گیا ... شاید ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس جگہ کوئی پہنچ سکتا ہے۔

''نواب احتشام صاحب ... دروازہ کھول دیں ... ہم نے آپ لوگوں کی باتیں سن لی ہیں ... آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ... ہم آپ لوگوں کی ہر ممکن مدد کریں گے ... لیکن پہلے چند الجھنیں دور کر لیں ... پھر دیکھیں گے کہ ہم آپ کے کسی کام آسکتے ہیں یا نہیں۔''

اندر اب بھی موت کا سناٹا تھا ... آخر قدموں کی آواز ابھری اور دروازہ کھل گیا۔

اندر نواب صاحب دونوں عورتیں اور راکبہ کے ساتھ موجود تھے

... لیکن اس چھلاوہ لڑکی کا کہیں وجود نہیں تھا۔

''تو وہ چھلاوہ لڑکی تم تھیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی... جی ہاں۔'' اس نے شرما کر کہا۔

''لیکن کیوں... تمھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی... تمھاری وجہ سے نواب احتشام کی نوابی ختم ہوگئی۔''

''انسپکٹر جمشید میرے دوست! مجھے اس بات کا کوئی رنج نہیں ہے... غلطی میری تھی... میں نے نوابی کے لالچ میں انسانی رشتوں کی قدر نہیں کی... ورنہ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ میں ریاست کا نواب بنتا ہی نہ... پہلے ہی بتا دیتا کہ میری دو بیویاں ہیں۔''

''اس طرح بات پلے نہیں پڑے گی... آپ اپنی پوری کہانی سنا دیں۔''

''اچھی بات ہے... میرے والد ریاست کے نواب تھے... میں جوان ہوا تھا تو میں نے ان سے چوری چھپے شادی کرلی... وہ شادی راکبہ کی ماں سے کی تھی... یہ راز میں نے چھپائے رکھا... اس وقت راکبہ کی ماں ایک گاؤں میں رہتی تھی... گاؤں والوں کو یہ پتا نہیں تھا کہ میں نواب کا بیٹا ہوں... میں تو وہاں سیر کے لیے گیا تھا... وہاں میں نے صائمہ کو دیکھا... صائمہ نے مجھے دیکھا... بس ہم دونوں نے

شادی کا فیصلہ کر لیا... میں نے انھیں بتادیا کہ کچھ مدت تک میں اپنے ماں باپ سے اس شادی کا ذکر نہیں کر سکتا... پھر کروں گا... صائمہ کے ماں باپ بہت غریب تھے اور میرے پاس دولت تھی... ہیرے جواہرات تھے... بس انھوں نے میری بات پر اعتبار کرلیا... اس طرح یہ شادی ہوگئی... پھر راکبہ پیدا ہوئی... یہ دونوں وہیں گاؤں میں رہتی رہیں... میں ہر ہفتے سیر کے بہانے جاتا اور ان سے مل آتا... ادھر میرے والد صاحب میری شادی اپنی بھتیجی سے کرنے پر تل گئے... میں انھیں گاؤں والی شادی کے بارے میں نہ بتا سکا... اور انھوں نے میری شادی کردی... اس طرح میں نے دوسری شادی کرلی... انھی دنوں والد صاحب اچانک فوت ہوگئے... اب نوابی ٹھاٹھ چھوڑنے کو جی نہ چاہا... عوام نے مجھے نواب چن لیا... میں پہلی شادی کو چھپائے رہا... کیونکہ قانون کی رو سے نواب دوسری شادی نہیں کر سکتا... ادھر میری بیٹی بڑی ہوگئی... دونوں ماں بیٹی چاہتی تھیں کہ انھیں میں اپنے ساتھ رکھوں... جب کہ میں نے ان سے وعدہ کر رکھا تھا... اب دوسری شادی میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی... دوسری بیوی کو یہ بات بتاتا تو نوابی ہاتھ سے جاتی تھی... ادھر یہ ماں بیٹی گاؤں میں رہنے پر تیار نہیں تھی... آخر میں نے ان کے لیے یہ مکان بنوایا اور ظاہر یہ کیا کہ

ایک بیوہ عورت کے لیے بنوایا ہے ... چنانچہ ان دونوں کو یہاں لے
آیا، لیکن ان سے وعدہ لے لیا تھا کہ یہ دونوں کسی کو نہیں بتائیں گی...
میرا ان سے کیا رشتہ ہے... یہ معاملہ یونہی چل رہا تھا کہ ریاست میں
میرے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں...ان حالات میں انشارجہ کے سفیر
نے مجھ سے ملاقات کی ... انھوں نے مجھ سے کہا ... اگر آپ نواب
رہنا چاہتے ہیں تو انشارجہ آپ کی مدد کرے گا اور آپ کے خلاف کسی
سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گا ... لیکن آپ کو بھی انشارجہ کی
شرائط ماننا ہوں گی ...اس طرح میں انشارجہ کے جال میں آگیا ... اب
تو میں یہ بات بھی یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے خلاف سازشوں کا
بازار خود انشارجہ نے گرم کرایا تھا ... یہ اس کی منصوبہ بندی ہے
... خود ہی حکمرانوں کے خلاف سازشیں کراتا ہے ... پھر خود ہی اس کی
مدد کو آگے آتا ہے ... اس طرح حکمرانوں کو مٹھی میں کرنا انشارجہ کا پرانا
طریقہ ہے ... مجھے بھی اس کا اندازہ بعد میں ہوا ...

پھر میری بیٹی کو کسی طرح پتا چل گیا کہ میں ریاست کا نواب
ہوں ... دونوں بے چین ہوگئیں ... وہ چاہتی تھیں کہ میں انھیں محل میں
رکھوں ... لیکن میں محل میں نہیں رکھ سکتا تھا ... راکبہ کو اور تو کچھ نہ
سوجھا ... ایک نئی لڑکی کے روپ میں کام دکھانے لگی ... یہ ایک چھلاوہ

بن گئی ... غضب کی پھرتیلی یہ اپنے بچپن سے تھی ... گاؤں میں
درختوں پر چڑھنا اور دریا میں تیراکی کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا ... دوڑ
میں پورے گاؤں کے بچوں کو پیچھے لگا لیتی تھی ... کوئی اس سے آگے
نہیں نکل پاتا تھا ... لیکن بس یہ چاہتی تھی ... کسی طرح اپنی ماں کے
ساتھ محل میں رہے ... اس کی ماں نے تو میری بات مان لی ... لیکن
یہ اپنی اس خواہش کو دبا نہ سکی اور شہر میں وارداتیں کرنے لگی ... پہلے
واردات کرتی پھر بھاگ کر جھیل کی جھاڑیوں میں جا چھپتی... وہیں لباس
بدل کر اپنے گھر میں آجاتی ... اصل میں میری بیٹی کی تڑپ یہ تھی کہ
اسے اور اس کی والدہ کو ان کا حق ملنا چاہیے ... کیونکہ پہلی شادی تو
میں نے راکبہ کی ماں سے کی تھی اور یہ بات تھی بھی درست ، لیکن میرا
مسئلہ یہ تھا کہ دوسری شادی تو سب کے علم میں تھی ... پہلی شادی کا کسی
کو پتا نہیں تھا ... اس لیے مجھے اس شادی کو چھپانا پڑ رہا تھا... بس
راکبہ نے تلملا کر اپنی کاروائیاں شروع کر دیں ... اور اپنی کاروائیوں
سے اس نے اپنی ماں کو بھی لاعلم رکھا ... یعنی ماں کو پتا نہیں تھا کہ یہ کیا
کر رہی ہے ... یہ وارداتیں جاری تھیں اور میں اس کا مطلب سمجھ رہا
تھا ... لیکن کر کچھ نہیں سکتا تھا ... ایک دن رات کے وقت سب سے
چھپ کر میں ان ماں بیٹی سے ملا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی ، اس پر

اس نے کہا کہ وہ کوئی ایسی حرکتیں نہیں کر رہی ... وہ کوئی اور لڑکی ہے
... آپ اسے پکڑلیں ... دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا ...
مطلب یہ کہ اس نے میری کوئی بات نہ سنی ... ان حالات میں آپ
لوگ آگئے ... شکار کا پروگرام تو ہم ہر سال ہی رکھتے ہیں ... مطلب یہ
کہ آپ لوگوں کا آنا معمول کی بات تھی ... لیکن یہاں کے حالات
معمول کے نہیں رہے تھے ... میری بیٹی کی حرکتوں نے ریاست کے
لوگوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا ... اس کی شکایات لوگ پولیس سے
کرتے تھے ... لہذا پولیس بھی اسے پکڑنے کی کوشش میں رہتی تھی ...
اب میں پولیس کو کیسے روکتا، کیا کہہ کر روکتا ... ڈر بھی رہا تھا کہ کہیں
راکبہ پکڑی نہ جائے ... اور پھر آپ لوگوں کے آنے پر حالات نے
پلٹا کھایا ... یہاں حکومت کرنے کا خواب دیکھنے والے میرے خلاف
سازشوں پر سازشیں کر رہے تھے ... میں نے سوچا، ان لوگوں کے خلاف
آپ سے تحقیقات کرائی جائیں اور جو سازشی ثابت ہوں، انھیں گرفتار
کرلیا جائے ... کاغذات بھی انھی میں سے کسی نے چرائے تھے ... اور
جہاں تک میرا خیال ہے ... کاغذات ہماری بیگم صاحبہ کے بھائی اسام
خان نے چرائے تھے ... اسے شک تھا کہ مجھ میں جو کمزوریاں ہیں، وہ
ان کاغذات کامطالبہ کرنے سے معلوم ہو جائیں گی ... ادھر یہ لوگ

سازشیں کر رہے تھے ... ادھر راکبہ اچھل کود مچارہی تھی ... ان حالات
میں میں نے انشارجہ سے مدد مانگی ... سفیر نے آکر مجھے تھپکی دی اور کہا،
آپ بس ہمارا ساتھ دیں ... ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کے
خلاف کسی سازش کو پنپنے نہیں دیں گے ... میں نے اس سے کہا، ٹھیک
ہے ... پھر آپ لوگوں کی تحقیقات شروع ہوئیں ... اور آپ لوگ بھی یہ
محسوس کرنے لگے کہ ریاست کا کوئی قانون ایسا ہے جس کی وجہ سے میں
زد میں آتا ہوں ... اور میں اس قانون کو چھپا رہا ہوں ... آپ نے مجھ
سے قانون کے مسودے کا مطالبہ کیا تو میں بوکھلا گیا ... اگر آپ قانون کا
مسودہ پڑھ لیتے تو اسی وقت جان جاتے کہ معاملہ کیا ہے ... لہذا میں
نے سوچا، آپ لوگوں کو فوری طور پر واپس بھجوادوں ... ساتھ ہی یہ
خیال بھی آیا کہ اپنے ملک میں جا کر آپ لوگ آسانی سے قانون کا
مسودہ حاصل کر لیں گے اور اپنے ملک میں رہ کر میرے خلاف
کاروائیاں کریں گے ... پھر میں نے سوچا، آپ لوگوں کو اس قابل ہی
کیوں رہنے دیا جائے کہ آپ کسی کو کچھ بتا سکیں ... ایسا تبھی ممکن تھا
جب آپ لوگوں کو آپ کے ملک میں غائب کر دیا جائے ... خیر آپ کو
یہاں سے زبردستی ایرپورٹ بھیجا گیا ... اورادھر میں نے سفیر سے مشورہ
کیا ... اس نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں ... اور یہ معاملہ اس پر چھوڑ دیں

... وہ خودسب کچھ کرے گا ... اس کے بعد میں بے فکر ہو گیا ... آپ
کے ملک کی سرزمین پر جو کچھ کیا گیا ... انشارجہ کا کیا دھرا تھا ... یہاں
تک کہ آپ کو بحری جہاز کے ذریعے انشارجہ پہنچانے کا منصوبہ بھی انھی
لوگوں کا تھا ... انشارجہ تو خود آپ لوگوں سے بہت تنگ ہے ... اب یہ
ان لوگوں کو بھی امید نہیں تھی کہ انسپکٹر کامران مرزا ان کے منصوبے کو
چوپٹ کردیں گے ... جب مجھے پتا چلا ... یعنی سفیر کے ذریعے پتا چلا
کہ انسپکٹر کامران مرزا ان تک پہنچ گئے ہیں اور ہوش وحواس میں آتے
ہی آپ لوگ انسپکٹر کامران مرزا کو سب کچھ بتا دیں گے ... لہٰذا آپ
یہاں ہر حال میں آئیں گے ... بس اس کے بعد میری حکومت کسی
صورت قائم نہیں رہے گی ... سو میں نے اپنی بیگم نوشین کو ساری بات
بتائی اور ان سے کہا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ... سب کچھ
چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے نکل جائیں ... کیونکہ حکومت میں جو آئے گا ...
وہ ہم پر مقدمہ چلائے بغیر نہیں رہے گا ... اور پھر جیل ہوگی اور ہم
ہوں گے ... نوشین نے ہر طرح میرا ساتھ دینے کا ارادہ ظاہر کیا اور
ایک رات ہم وہاں سے نکل آئے ... ہم فوری طور پر راکبہ کے گھر
آئے ... کیونکہ فرار ہونا آسان نہیں تھا ... جاتے بھی کسی ملک میں ...
ہمیں ریاست کا حکمران اس ملک سے طلب کرتا اور وہ واپس کرتا یا نہ

کرتا ... یہ بعد کی بات تھی ... خطرہ ہی خطرہ تھا ... اس وقت راکبہ نے
بتایا ... اس جنگل میں ایک لکڑی کا مکان ہے ... مدتوں سے ویران پڑا
ہے ... اس کے گرد اس قدر گھنے جنگل ہیں کہ کسی کو اس کا پتا تک نہیں
... کچھ مدت تو ہم وہاں گزار سکتے ہیں ... پھر دیکھا جائے گا ... معاملہ
ٹھنڈا پڑنے پر حلیے تبدیل کرکے نکل جائیں گے ... یہ ہے کل کہانی ...
اب معاملہ آپ کے ہاتھ ہے ... یہ سارا چکر صرف اور صرف دوسری
شادی کی وجہ سے چلا ... اگر میں نے ایک شادی خفیہ طور پر نہ کی ہوتی
تو یہ حالات ہرگز نہ آتے ... اور میں آج بھی نواب ہوتا ۔'' یہاں تک
کہہ کر وہ خاموش ہوگئے ۔

''کیا آپ کو نوابی ہاتھ سے چلے جانے کا دکھ ہے؟''

''نہیں اب تو میری خواہش ہے ... میں ان دونوں بیگموں اور
بچی کو لے کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں ... جہاں ہمیں کوئی جانتا نہ ہو ...''

''ہوں ... ریاست کا یہ قانون ہے ہی غلط کہ حکمران دوسری
شادی نہیں کرسکتا ... جب اسلام نے دوسری کیا چار شادیوں کی اجازت
دی ہے تو یہ کون ہوتے ہیں ایسا قانون بنانے والے ... چونکہ قانون
غلط تھا ... اور آپ غلط قانون کی زد میں آئے ہیں ، اس لیے ... ہم
آپ کی مدد کریں گے ... یہاں سے آپ لوگوں کو نکال لے جائیں گے

اور کسی گمنام جگہ آپ لوگوں کی رہائش کا انتظام کر دیں گے ... آخر آپ ہمارے دوست ہیں ... دوست دوست کا ساتھ نہ دے گا تو کون دے گا ... لہٰذا آپ بے فکر ہو جائیں ۔"

"لیکن یہ سب کیسے ہو گا ۔"

"اس پر غور کر لیتے ہیں ... اب غور کرنے کے لیے ہمارے پاس فرزانہ ہے فرحت ہے ... باقی لوگ بھی ٹوٹا پھوٹا غور کر ہی لیں گے ..."

"بالکل جمشید ... ہم غور بھی کریں گے اور خوض بھی کریں گے ۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا ۔

"پہلے تو یہ بتائیں ... اس جنگل میں اگر ہم آگے تک چلے جائیں تو کون سا علاقہ آئے گا ۔"

"آپ کے ملک کی سرحد لگتی ہے اس طرف، لیکن جنگل درندوں سے بھرا پڑا ہے ... کوئی اس طرف سے نہ آسکتا ہے ، نہ جا سکتا ہے۔"

"بس ٹھیک ہے ... ہم آپ لوگوں کو اس طرف سے اپنے ملک کی سرحد تک پہنچا دیتے ہیں ... اور خود ہم جہاز سے اپنے ملک آئیں گے ۔"

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم کیسے جائیں گے ۔"

"یہ کام ہم کریں گے ... آپ کے ساتھ سرحد تک جائیں

گے ... اور سرحد پر موجود اپنے فوجیوں سے ہم خود بات کریں گے ۔"

"بھلا فوجی آفسر کس طرح یہ بات مانیں گے۔" نواب نے پریشان ہو کر کہا ۔

"یہ ہمارا کام ہے ... آپ کا نہیں ... آپ پریشان نہ ہوں ...اور چلنے کی تیاری کر لیں ۔"

"کیا مطلب ... ابھی ۔"

"ہاں ! ابھی ... اگر زلال خان کو ذرا بھی شک ہو گیا تو آپ کی تلاش میں نکل کھڑا ہو گا ... اگر چہ وہ آپ کا سگا بھائی ہے ... لیکن اقتدار چیز ہی اور ہے ... اس لیے ہمیں یہ کام فوری طور پر کرنا ہے ۔"

"جیسے آپ کہیں ، ہم کریں گے ... لیکن درندوں کا کیا کیا جائے گا ... دو چار ہوں تو آپ مار بھی لیں گے ...وہاں درندے بھرے پڑے ہیں ۔"

"آپ فکر نہ کریں ... ان درندوں کا حل ہمارے پروفیسر صاحب کے پاس ہے ... کیوں پروفیسر صاحب ۔"

"بالکل ہے ... آپ دیکھ ہی لیں گے ۔"

اور پھر وہ وہاں سے روانہ ہوئے ... نواب صاحب ان کی دونوں بیویوں اور راکبہ نے ضروری سامان ساتھ لیا تھا... ان کے پاس

کچھ جواہرات بھی تھے۔

اب اس خوفناک جنگل میں ان کا سفر شروع ہوا ... اس جگہ درندوں کا آنا جانا نہیں تھا ... کیونکہ یہاں درخت اس طرح ساتھ ساتھ تھے کہ ان کے درمیان سے گزرنا بہت مشکل تھا ... اور درندے تو بہرحال دوڑ کر گزرتے ہیں، پتلی سی جگہ سے گزرنے کے چکر میں نہیں پڑتے، اس لیے وہ اس طرف آتے ہی نہیں تھے ...

ان کا سفر جاری رہا ... یہاں تک کہ درندوں کی آوازیں شروع ہو گئیں ... مارے خوف کے نواب صاحب اور ان کے گھر والوں کا برا حال ہو گیا ... جب کہ یہ لوگ پر سکون تھے ... ایسے میں پروفیسر داؤد نے جیب سے ایک پیکٹ نکالا، اس میں کوئی سفوف تھا۔

''یہ سفوف سب لوگ اپنے جسموں پر مل لیں ... مطلب یہ کہ جسم کے ننگے حصوں پر بھی اور جن حصوں پر کپڑے ہیں، وہاں سفوف کپڑوں پر لگا لیں ... اس سفوف کی برکت سے کوئی درندہ ہمارے قریب نہیں آئے گا۔''

''واہ! یہ ہوئی نا بات۔'' انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

''لیکن ہمیں تو اب بھی ڈر لگ رہا ہے ... کیونکہ ابھی ہمیں یقین نہیں آیا کہ درندے اس سفوف کی وجہ سے ہمارے نزدیک نہیں

آئیں گے۔''

''اس قسم کے حالات سے ہم گزرتے رہتے ہیں ... ہمیں تو اس سفوف کا تجربہ ہے ... آپ کو نہیں ... اس لیے آپ ڈر رہے ہیں ... لیکن جلد ہی آپ کا ڈر نکل جائے گا۔''

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر وہ درندوں تک پہنچ گئے ... درندے انھیں دور سے دیکھ کر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے ... چھلانگ لگانے کے لیے جھک گئے ... لیکن اس سے پہلے وہ چھلانگیں لگاتے ... سفوف کی بو ان تک پہنچ گئی ... وہ یک دم ڈھیلے پڑ گئے ... اور پھر انھوں نے راستہ چھوڑ دیا ... راستے سے ادھر ادھر ہو گئے۔

''حیرت ہے ... کمال ہے ... نواب کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں ... حیرت اور کمال کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔'' فاروق بولا۔

''شکر ہے ... تمھاری آواز بھی سننے میں آئی۔'' آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

''وہ ان انجکشنوں کا اثر ہے نا ... جاتے جاتے ہی جائے گا۔''

''لیکن اتنا بھی کیا اثر کہ تم زبان ہی ہلانا بھول گئے۔'' آصف

نے منہ بنایا۔

''اب یاد آگیا ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''کیا یاد آگیا ہے۔''

''زبان ہلانا اور کیا۔''

''توبہ ہے تم سے۔'' فرحت نے جھلا کر کہا۔

''لو بھئی کامران مرزا ...'' خان رحمان کہنے چلے تھے کہ وہ بول پڑے۔

''لاؤ۔''

''اور لاؤں کیا۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''وہی جو تم نے کہا ہے ... یعنی لو بھئی۔''

''حد ہو گئی ... کہیں ہم میں ان کی روح تو حلول نہیں کر گئی۔'' خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

اور وہ مسکرانے لگے ... ان کا سفر جاری رہا ... درندے انھیں راستہ دیتے رہے ... آخر مسلسل پانچ گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ سرحد پر پہنچ گئے ... انھوں نے گھنے درختوں کے درمیان سے اپنے ملک کے فوجیوں کو سرحد پر ٹہلتے دیکھ لیا ... جب کہ اس جگہ ریاست کا کوئی فوجی نہیں تھا ... دراصل ریاست کو اس طرف لگانے کی ضرورت ہی نہیں تھی

... کیونکہ اس طرف سے ریاست پر حملہ آور ہونا قریب قریب ناممکن تھا ... یہ تو یہ لوگ تھے ... جو اس جنگل سے نکل آئے تھے ... وہ بھی پروفیسر داؤد کے سفوف کی وجہ سے ... ورنہ ان کی تو جنگل سے بوٹیاں بھی نہ ملتیں۔

''اب سب درختوں کے پیچھے ہو جائیں ... یہ فوجی لوگ ہیں، بات بعد میں پوچھیں گے، گولی پہلے چلائیں گے ... میں بھی درخت کی اوٹ لے کر ان سے بات کروں گا ... یہ دراصل اس لیے کہ اس طرف سے تو انھیں کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا ہوگا ... اب اگر کوئی آواز سنائی دے گی تو اچانک فائر نہ کر دیں۔''

''بہت بہتر ابا جان۔'' محمود نے فوراً کہا اور پھر سب لوگوں نے درختوں کی اوٹ لے لی ... اب انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

''سرحد پر موجود فوجی حضرات میں سے ایک صاحب ان درختوں کی طرف آئیں، میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں ... میں ہوں پاک لینڈ کا ایک ملازم۔''

اس آواز پر انھوں نے فوراً رائفلیں تان لیں، ان کا رخ درختوں کی طرف کر دیا ... منہ سے کچھ نہ بولے ... بس منہ کھولے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔

''آپ لوگوں نے میری بات نہیں سنی ... میں نے کہا ہے ... آپ نزدیک آ کر میری بات سن لیں۔''

''آپ ... آپ کون ہیں ... یہ بھی ہو سکتا ہے ... ہم نزدیک آئیں اور آپ ہم پر فائرنگ کر دیں۔''

''آپ نے انسپکٹر جمشید کا نام سنا ہے۔''

''نام کیا ... ہم نے تو انھیں دیکھا ہوا بھی ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے ... میں انسپکٹر جمشید ہوں ... میں آپ کے سامنے آ رہا ہوں ... میں خالی ہاتھ سامنے آؤں گا ... تاکہ آپ اچھی طرح مجھے دیکھ لیں ... پہچان لیں۔''

''اچھی بات ہے ... اگر کوئی دھوکا ہوا تو ہم فائرنگ کر دیں گے۔''

''ضرور کر دیجیے گا۔'' وہ مسکرائے اور پھر اوٹ سے نکل کر سامنے آ گئے ... اب انھوں نے انھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا ... آخر ایک نے کہا:

''لگتے تو آپ انسپکٹر جمشید ہی ہیں ... لیکن آپ یہاں کہاں؟''

''میں ریاست میں آیا ہوا ہوں ... ایک ضرورت اس طرف لے آئی۔''

''لیکن یہ جنگل تو درندوں سے پٹا پڑا ہے ... آپ ان کے درمیان سے کیسے آ گئے۔''

''ہمارے ساتھ پروفیسر داؤد ہیں ... آپ جانتے ہی ہوں گے ... وہ ملک کے مشہور ترین سائنس دان ہیں ... بس ان کے ایک سفوف نے درندوں کو نزدیک نہیں آنے دیا۔''

''اب ہمیں یقین آ گیا ... یہ آپ ہی ہیں۔''

''اللہ کا شکر ہے ... کیا اب میں آپ کے سامنے آ سکتا ہوں۔''

''ہاں آ جائیں۔''

انھوں رائفلیں جھکا لیں ... اب انسپکٹر جمشید ان کے پاس چلے گئے ... ان سے ہاتھ ملانے کے بعد انھوں نے ساری صورت حال بتائی ... ریاست کے نواب کے بارے میں نہیں بتایا ... صرف یہ بتایا کہ ان کے ایک ساتھی اور ان کے بیوی بچوں کو ملک میں فلاں فلاں جگہ پہنچانا ہے ... اور یہ کہ ہم خود دوسرے راستے سے ملک میں آئیں گے۔''

اس پر فوجی الجھن کا شکار ہو گئے ... ان کے آفیسر نے کہا۔

''کہیں ملک کا کوئی ادارہ ہمارے اس فعل پر اعتراض نہ کرے ... ہماری رپورٹ ہیڈ کوارٹر کو کر دے۔''

"میں آپ کو ایک اجازت نامہ دکھاتا ہوں ... آپ اسے پڑھ لیں ... پھر آپ کوئی پریشانی محسوس نہیں کریں گے۔"

اب انھوں نے صدر صاحب کا اجازت نامہ انھیں دکھایا ... اسے پڑھ کر وہ فوراً اٹینشن ہو گئے ... آفیسر نے کہا:

"سر! آپ فکر نہ کریں ... آپ کی ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے گا ... اب آپ ان حضرات کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

اب انھوں نے نواب صاحب سے ہاتھ ملایا ... فرزانہ اور فرحت نے دونوں بیگموں اور راکبہ سے ہاتھ ملائے اور جنگل کی طرف مڑ گئے ... انھوں نے کئی بار ان کی طرف مڑ مڑ کر ہاتھ ہلائے یہاں تک کہ درختوں کے درمیان آ کر ہاتھ ہلانے کا سلسلہ ختم کر دیا۔

☆......☆......☆......☆......☆